راہِ سلوک

تحقیق و تصنیف

ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم ایس سی نفسیات، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)

(بانی تھری آئی سائیکوتھراپی، اسلامک سائیکالوجسٹ، سپرچوالسٹ، صوفی سائیکوتھراپسٹ)

ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات و روحی علوم)

راہِ سلوک

اسلامی نقطۂ نگاہ سے علم (Knowledge) وہ ہے جو کردار میں نظر آئے۔ ایسا علم جس سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب نہ ہو وہ علم نہیں بلکہ معلومات (Information) ہیں۔ ایسے افراد جو علم تو رکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے قرآن پاک میں ان کو گدھے سے تشبیہہ دی گئی ہے جس پر علم کا بوجھ لادا گیا ہو۔ ایسے دنیادار عالم چوپایوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں جو احکاماتِ الٰہی کو یاد کرتے ہیں، ان کے معانی ومطالب کو سمجھتے ہیں مگر ان کا عمل اور کردار اس کے متضاد ہوتا ہے۔ علم، عمل کی اساس (بنیاد) اور روح ہے۔ یہ عمل کا پیش رو اور عمل کی درستگی کا ضامن ہے۔ جس طرح علم، بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا۔ اسی طرح عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں دیتا۔ علم اور عمل دونوں لازم وملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ سالک، ایمان، معرفتِ الٰہی اور حصولِ رضا کے کسی مقام ومنزل میں علم وعمل سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ تصوف اسلام کے تمام ظاہری و باطنی پہلوؤں کی عملی تطبیق کا نام ہے۔ جب سالک تصوف کے نصاب کے مطابق ضروری علم حاصل کر کے صدق، اخلاص اور محبت سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے لیے سچے دل سے متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ علم کے مطابق اپنا عمل درست کرتا ہے۔ عبادات سرانجام دیتا ہے۔ معاملات احسن طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ سے چھٹکارا پاتا ہے اور اخلاقِ حسنہ سے متصف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید علم عطا فرماتا ہے۔ آپ کے پیشِ نظر اس کتاب میں قرآن وحدیث کی روشنی میں سند اور تحقیق کے ساتھ راہِ سلوک (نصابِ تصوف) کی ضرورت و اہمیت اور قدر و قیمت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

تحقیق وتصنیف

ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم ایس سی نفسیات، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)
(بانی تھری آئی سائیکوتھراپی، اسلامک سائیکالوجسٹ، سپرچوالسٹ، صوفی سائیکوتھراپسٹ)
ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات وروحی علوم)
سابق پرنسپل ''چشتیہ کالج، فیصل آباد''
ایڈیٹر ''ماہنامہ نورِ ذات'' رجسٹرڈ، منظور شدہ
پروپرائٹر ''نورِ ذات پبلشرز''، لاہور

نورِ ذات پبلشرز، لاہور

Mobile & Whats App: 0321-6672557 Email: Anjum560@gmail.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

جملہ حقوق بحق مصنفِ کتاب محفوظ ہیں

نام کتاب:۔ راہِ سلوک

تحقیق وتصنیف:۔ ڈاکٹر محمود علی انجم

(ایم اے، ایم ایس سی نفسیات، ایم سی ایس، ایم فل، پی ایچ ڈی اقبالیات)

(بانی تھری آئی سائیکوتھراپی، اسلامک سائیکالوجسٹ، سپر چوالسٹ، صوفی سائیکوتھراپسٹ)

ریسرچ سکالر (اسلامیات، تصوف، اقبالیات، اردو، نفسیات وروحی علوم)

بانی وصدر (بزم فقرِ اقبال، بزم علم وعرفان، ایجوکیٹرا اینڈ لرنرز ویلفیئر آرگنائزیشن)

نائب صدر بزمِ فکرِ اقبال، انٹرنیشنل

سابق پرنسپل "چشتیہ کالج، فیصل آباد"

ایڈیٹر "ماہنامہ نورِ ذات" رجسٹرڈ، منظور شدہ

پروپرائٹر "نورِ ذات پبلشرز"، لاہور

برائے مشورہ ورہنمائی:۔ فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔ 0323-6672557 / 0321-6672557

ای میل:۔ Anjum560@gmail.com/Anjum560@outlook.com

کمپوزنگ:۔ محمد آصف مغل

طابع:۔ نورِ ذات پبلشرز

فون نمبر / وٹس ایپ نمبر:۔ 0323-6672557 / 0321-6672557

ای میل:۔ Anjum560@gmail.com/Anjum560@outlook.com

سنِ اشاعت:۔ فروری ۲۰۲۴ء

راقم الحروف نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ حتی المقدور تحقیقی وتنقیدی شعور سے کام لیتے ہوئے 'موضوعِ تحقیق' سے انصاف کیا جائے اور حقائق تک رسائی حاصل کر کے انھیں سند وحوالہ جات کے ساتھ ضبطِ تحریر میں لا کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے۔ تاہم، ہر انسانی کوشش کی طرح علمی وادبی کاموں میں بھی غلطی، کوتاہی اور نقص کا امکان رہتا ہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ انھیں اس کتاب میں کسی مقام پر کوئی کمی بیشی و غلطی نظر آئے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں ان کی قیمتی آرا سے استفادہ کیا جا سکے۔

والله الموفق و هو الهادی الی سواء السبیل۔ اللهم تقبل منا انك انت السمیع العلیم۔ الحمد لله رب العالمین۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوةً تُنَجِّيْنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَهْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِيْ لَنَا بِهَا جَمِيْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَهِّرُنَا بِهَا مِنْ جَمِيْعِ السَّيِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِهَا عِنْدَكَ اَعْلَى الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِهَآ اَقْصَى الْغَايَاتِ مِنْ جَمِيْعِ الْخَيْرٰتِ فِي الْحَيَاتِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعْوَاتِ وَرَافِعُ الدَّرَجَاتِ وَيَا قَاضِيَ الْحَاجَاتِ وَيَا كَافِيَ الْمُهِمَّاتِ وَيَادَافِعَ الْبَلِيَّاتِ وَيَا حَلَّ الْمُشْكِلَاتِ اَغِثْنِيْ اَغِثْنِيْ اَغِثْنِيْ يَآ اِلٰهِيْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِّائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ط○ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ ط سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ط اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِلٰهًا وَّاحِدًا اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ○ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا ○ يَارَبِّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا يَنْبَغِيْ لِجَلَالِ وَجْهِكَ وَعَظِيْمِ سُلْطَانِكَ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى ○ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَدَدَ خَلْقِهٖ ○ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَدَدَ خَلْقِهٖ ○ اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَدَدَ خَلْقِهٖ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى ○ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ○ رَبِّ اغْفِرْلِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ ○ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْمُعَافَاةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ○ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ مِنَ النَّارِ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِّائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ ط اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ط○

کتاب دوستی

کامیاب زندگی گزارنے کے لیے زندگی کا مقصد اور اسے گزارنے کا طریقہ جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اس مقصد کے لیے بہترین مخلوق کا رُوپ عطا کرنے والے احد و واحد رب تعالیٰ نے انبیا و رُسل پر آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے اور انھیں بطور معلم انسانوں کو تعلیم دینے اور ان کی تربیت کرنے کا فریضہ سرانجام دینے کی ذمہ داری تفویض فرمائی۔ کتاب ہر ایک معلم و متعلم کی بنیادی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان تاحیات معلم اور متعلم کے طور پر زندگی بسر کرتا اور ہر وقت اپنی اور دوسروں کی اصلاح اور فلاح کے لیے مصروف بہ عمل رہتا ہے۔ حیات بخش اور حیات افروز علم و ادب پر مشتمل کتابیں ہر فرد کی ضرورت ہیں۔ ایسی تحقیقی، مستند کتابیں جو منشائے الٰہی کے مطابق دنیوی اور اُخروی فوز و فلاح کے حصول میں مدد و معاون ہوں، ان کا مطالعہ اور ان سے ملنے والی تعلیمات پر عمل کرنا از حد ضروری ہے۔

اپنے بارے میں، اپنے خالق و مالک کے بارے میں، اس کائنات کے بارے میں، اپنے محبوب حکما، علما، صوفیہ، ادبا اور شعرا کی نگارشات سے استفادہ کرنے کے لیے مطالعہ کی عادت اپنائیں۔

یہ کتاب اسی جذبے کے تحت آپ کو پڑھنے کے لیے پیش کی گئی ہے۔ اسے خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کے لیے دیں۔

سُرورِ علم ہے کیفِ شراب سے بہتر ‎ ‎ ‎ کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

محترمی و مکرمی! ________________________________

____

راہِ سلوک

ازطرف:۔ ________________________________

تاریخ:۔ ________________ دن:۔ ________________

اظہارِ تشکر

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے (اس حالت میں) باہر نکالا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے اور اس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر بجالاؤ۝

زیرِ نظر کتاب ''راہِ سلوک'' کی تصنیف و تالیف کی سعادت حاصل ہونے پر میں ربِ قدیر اور اپنے آقا و مولا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے حد و حساب شکر گزار ہوں۔ میں اپنے روحانی، علمی و ادبی محسنین اور کرم فرماؤں خصوصاً سلطان الفقرا قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ، پیر و مرشد حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ، اپنے نہایت واجب الاحترام والدِ محترم حاجی محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ اور والدہ محترمہ کا شکر گزار ہوں جن کی تعلیمات، دعاؤں، توجہ اور شفقت کی بدولت اس کارِ سعادت کی توفیق عطا ہوئی۔ میرے کرم فرما اساتذہ پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان (پی ایچ ڈی اقبالیات)، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال انور (پی ایچ ڈی اردو)، پروفیسر ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان (پی ایچ ڈی اقبالیات)، پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال (پی ایچ ڈی اقبالیات) اور پروفیسر ڈاکٹر مظفر علی کاشمیری (پی ایچ ڈی اقبالیات) کی مدد، رہنمائی اور دعاؤں کی بدولت مجھے یہ کارِ خیر سرانجام دینے کی توفیق حاصل ہوئی۔ میری بیوی (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، داماد (اسد محمود)، بہو (فائزہ حامد) اور بیٹوں (حامد علی انجم اور احمد علی انجم) نے میرے حصے کی ذمہ داریاں سرانجام دے کر، ہر طرح سے میری ضروریات کا خیال رکھ کر مجھے ذہنی و قلبی فراغت کے لمحات حاصل کرنے میں گراں قدر خدمات سرانجام دی ہیں۔ میں ان سب کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں اپنی اس علمی، ادبی و روحانی کاوش کو ان سے منسوب کرتا ہوں اور دل کی گہرائیوں سے ان کے لیے دعا گو ہوں۔

احقر العباد
طالبِ دعا و منتظرِ آرا
ڈاکٹر محمود علی انجم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ کُلِّ ذَرَّۃٍ مِّائَۃَ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّۃٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ ط

انتساب

سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تمام انبیا ورسل، امہات المؤمنین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد پاک، پنجتن پاک، آئمہ مطہرین، معصومین، تمام صحابہ کرام وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اولیائے امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تمام مشائخ عظام، علمائے کرام، تمام مومنین ومومنات، مسلمین ومسلمات، قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی ودیگر تمام سلاسلِ حق کے پیرانِ عظام واہلِ سلسلہ، ساتوں سلطان الفقراء خصوصاً حضرت پیرانِ پیر دستگیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ غریب النواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ صابر پیا رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ، مرشدِ من حضرت قبلہ فقیر عبد الحمید سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد غلام نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ، فرید العصر میاں علی محمد خاں چشتی نظامی فخری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد مسعود احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، سرکار میراں بھیکھ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ محمد علی چشتی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ گوہر عبد الغفار چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ، میاں غلام احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، میاں مقبول احمد رحمۃ اللہ علیہ اوران کے اہل وعیال، حضرت میاں علی شیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میاں فریاد احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد افضال انور، پروفیسر ڈاکٹر قمر اقبال، پروفیسر ڈاکٹر محمد آصف اعوان، پروفیسر ڈاکٹر مظفر کاشمیری، پروفیسر ڈاکٹر محمد غلام معین الدین نظامی، ڈاکٹر محمد شفیق، ڈاکٹر محمد اصغر، پروفیسر سلیم صدیقی، استادِ محترم پروفیسر عبد اللہ بھٹی، بندہ عاجز اور اِس کی اہلیہ کے والدین (حاجی محمد یٰسین وبیگم یٰسین، میاں لطیف احمد وبیگم میاں لطیف احمد)، بندہ عاجز کی اہلیہ (فوزیہ نسرین انجم)، بیٹی (عروج فاطمہ)، داماد (اسد محمود)، بہو (فائزہ حامد)، بیٹوں (حامد علی انجم، احمد علی انجم)، پوتے (محمد علی انجم)، پوتی (ماہ نور فاطمہ)، بہنوں (مسز یاسمین اختر، مسماۃ ناہید اختر)، برادران (میاں مقصود علی چشتی نصیری، میاں سجاد احمد قادری، میاں فیاض احمد، میاں شہباز احمد، میاں اعجاز احمد، میاں خرم یٰسین، میاں عاصم یٰسین، میاں ارشد محمود، میاں افتخار احمد، میاں ابرار احمد، میاں عمران احمد، میاں نسیم اختر) اوران کے اہل وعیال، مسٹر ومسز نصیر واہلِ خانہ، خالد محمود (پروپرائٹر: خالد بک ڈپو، لاہور)، کاشف حسین گوہر (پروپرائٹر: ہمدرد کتب خانہ)، الطاف حسین گوہر (پروپرائٹر: گوہر سنز پبلی کیشنز)، تمام مسلمان آباؤ اجداد، بہن بھائیوں، بیٹوں، بیٹیوں، دامادوں، بہوؤں، نسلِ نو، احباب، رفقا، اساتذہ، تلامذہ، ظاہری وباطنی بلاواسطہ وبالواسطہ محسنین، علمی نسبی، روحانی تعلق رکھنے والے تمام احباب، بندہ عاجز کے چاہنے والوں اوران سب کو جن سے بندہ عاجز کو محبت ہے، تاابدالآباد اس کا ثواب ایصال ہو۔ بندہ عاجز سے جانے انجانے کسی بھی صورت میں ایسے تمام افراد جن کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی سرزد ہوئی انھیں بھی اس کارِ خیر کا ثواب ایصال ہو اور ذاتِ باری تعالیٰ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اپنے فضل وکرم سے اسے بطور قضا وکفارہ شمار فرما کر اُن سب کی اور بندہ عاجز کی مغفرت فرمادے۔ (آمین)

وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْ بَعْدِ ھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ٥

اور وہ لوگ (بھی) جواُن (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے (اور) عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی، جو ایمان لانے میں ہم سے آگے بڑھ گئے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کوئی کینہ اور بغض باقی نہ رکھ۔ اے ہمارے رب! بے شک تو بہت شفقت فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے ٥ الحشر [59:10]

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لیے پیدا فرمایا اور دین اسلام کو بندگی کی اساس اور میزان قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کی رہنمائی کے لیے حضرت آدم علیہ السلام تا نبی کریم رؤف ورحیم حضرت محمد ﷺ تک کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورُسل مبعوث فرمائے اور آسمانی کتابیں نازل فرمائیں۔ تمام انبیاء ورُسل ان آسمانی کتابوں میں دی گئی ہدایت کے مطابق عمل کرتے اور انسانوں کو تعلیم دیتے رہے۔ نبی کریم رؤف و رحیم حضرت محمد ﷺ کے ذریعے دین اسلام کی تکمیل ہوگئی۔ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں اور قرآن کریم آخری آسمانی کتاب ہے۔

اسلام کا پیغام کسی مخصوص زمانے، کسی مخصوص علاقے یا مخصوص لوگوں کی حد تک محدود نہیں۔ اسلام کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے۔ دین اسلام کے مطابق زندگی کا سفر ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہم سب اس دنیا میں آزمائے جانے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ اس دنیاوی زندگی کے مطابق آخروی زندگی کی راہیں متعین ہوں گی۔ دین اسلام میں جسم اور روح کے باہمی تعلق اور ان کے تقاضوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ عصرِ حاضر کا انسان اپنا مقصدِ حیات فراموش کر چکا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ سے دور ہے بلکہ وہ اپنے آپ سے بھی دور ہے۔ لادینی وملحدانہ فلسفۂ حیات کے تحت ہر کوئی اپنی بدنی، دنیاوی اور مادی ضروریات اور خواہشات کی تکمیل کے لیے کوشاں ہے۔ زیادہ تر لوگ اس مادی طرزِ فکر کی وجہ سے اپنی روح کے تقاضے بھی فراموش کر چکے ہیں۔ وہ روح کے قائل نہیں تو روحانیت کے قائل کیسے ہوں گے۔ ہم مسلمان بھی اس مادی دور میں اپنا مقصدِ حیات فراموش کر چکے ہیں۔

دین اسلام آخروی زندگی میں فلاح وکامیابی کے حصول کے لیے دنیاوی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اس کے مطابق ہر انسان کو، خصوصاً مسلمان کو اسلامی تصورِ حیات کے مطابق اپنے بدن اور روح کے تقاضے پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا اور آخرت میں کامیابی کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔ **عصرِ حاضر کی ان خرابیوں کے پیشِ نظر اور جدید علوم کے تحقیقی اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے بندۂ عاجز نے اسلامی ضابطۂ حیات، علامہ اقبالؒ کے افکار و تصورات (خصوصاً فلسفۂ خودی)، اسلامی نفسیات اور اسلامی تصوف کے باہم مربوط تعلق کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے تھری آئی سائیکوتھراپی وضع کی ہے جو کہ نفسیاتی، روحانی اور اخلاقی امراض کے طریقۂ علاج پر مشتمل ہے۔ الحمدللہ! یہ سائیکوتھراپی اسلامی فلسفۂ حیات اور اُس کے تقاضوں کے مطابق ہے۔ اسلامیات، اقبالیات، تصوف اور نفسیات کے باہمی ربط پر مبنی یہ تھراپی اسلامی ضابطۂ اخلاق اور اسلامک سپر چوائل ازم کے آفاقی اور عالمگیر اصولوں پر مبنی ہے۔ اس سے نہ صرف ہم مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی استفادہ کر سکیں گے اور ان شاء اللہ وہ اس تھراپی کے عملی نتائج سے اطمینان پا کر دین اسلام کے بھی قائل ہو جائیں گے اور اُن میں جن کا نصیب ہوا وہ مسلمان بھی ہو جائیں گے۔ بندۂ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے اس تھراپی پر ریسرچ کرنے اور اسے پیش کرنے کا شرف عطا فرمایا ہے۔ تحقیقی نکتۂ نگاہ سے یہ نفسیات اور روحانی دنیا میں ایک نیا اضافہ ہے۔ آپ کے پیشِ نظر یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔**

عظیم علمائے حق اور صوفیائے عظام نے خلقِ خدا کی بہتری کے لیے آیاتِ قرآنی اور مسنون دعاؤں پر مشتمل منازلِ روحانی ترتیب دیں اور پیش کیں جن میں سے 'حزب البحر' اور 'حزب الاعظم' مشہور ومتداول ہیں۔ عصرِ حاضر میں ذاتِ باری تعالیٰ کے فضل وکرم سے بندۂ عاجز نے احادیثِ نبوی ﷺ اور ارشادات ومعمولاتِ صوفیاء کے پیشِ نظر بعد از تحقیق کئی منازلِ روحانی ترتیب دیں، احادیث کے مطابق ان کے فضائل بیان کیے اور انہیں 'حزب النبی ﷺ'، 'حزب الکامل'، 'حزب الاعظم جدید'، 'حزب الحب والتسخیر'، 'حزب الشفائے کامل'، 'حزبِ مریم' اور 'حزب المؤمن' کے نام سے پیش کیا ہے۔ یہ منازلِ روحانی طبِ نبوی ﷺ کے بنیادی اصولوں کے مطابق ترتیب دی گئیں ہیں اور یہ صدیوں پر محیط اسلامی اور روحانی معالجات میں منفرد اضافے اور پیشکش کی حیثیت رکھتی ہیں۔ علمِ تحقیق کی رو سے تحقیق پر مبنی یہ منازلِ روحانی نہایت قدر وقیمت کی حامل ہیں جس کا بین ثبوت وہ تمام احادیثِ مبارکہ ہیں جو ان منازل کے فضائل میں بیان کی گئی ہیں۔ احباب سے درخواست ہے کہ ان منازل کو اپنے معمول میں لے کر آئیں۔ صدقہ جاریہ کی نیت سے ان کو شائع کریں اور تقسیم کریں۔ صوفیائے عظام اور روحانی معالجین سے درخواست ہے کہ وہ ان منازلِ روحانی کی ترویج میں بھرپور کردار ادا کریں تا کہ مخلوقِ خدا ان سے بھرپور استفادہ کر کے فلاحِ دارین حاصل کرے اور ہمارے لیے یہ منازلِ روحانی صدقہ جاریہ بن جائیں۔

طالب دعا

پروفیسر ڈاکٹر محمود علی انجم

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	حمد و نعت	003
	کتاب دوستی	004
	اظہارِ تشکر	005
	انتساب	006
	پیش لفظ	007
	فہرست مضامین	008
	راہِ سلوک	11
	مقصدِ حیات کے مطابق راہِ عمل کا تعین	011
	نیت اور عمل کا باہمی تعلق	011
	توفیق الٰہی	012
	ضروری علم کی تحصیل	012
	اخلاص فی العمل کی قدر و قیمت	015
	حدیثِ احسان	015
	دائرہ علوم تصوف	017
	علمِ تصوف کی فضیلت، ضرورت اور اہمیت	018
	نصابِ تصوف	019
	عصرِ حاضر کے علوم	021
	عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نصابِ تعلیم	022
	عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نصابِ تعلیم اور نصابِ تصوف کا موازنہ	023
	پاکستان میں مروجہ اقسامِ نصاب	023
	نظریۂ حیات، نظریۂ کائنات اور نظریۂ تعلیم کا باہمی تعلق	025
	اسلامی نظامِ تعلیم اور مغربی نظامِ تعلیم کا بنیادی فرق	026
	علم و عمل کا باہمی تعلق	027
	علم و عمل اور اخلاص کا باہمی تعلق	028
	صوفیانہ طرزِ عمل	029
	علم باللہ کی فضیلت	030
	معیارِ فضیلت	031
	عالمِ اسلام کے عروج و زوال کے اسباب	031
	فضیلتِ حکمت	032
	تصورِ خودی	034

	تصورِ حسن اور تصورِ حیات کا باہمی تعلق	035
	فنونِ لطیفہ کی قدر و قیمت اور ضرورت و اہمیت	036
	مقصدِ حیات کا انسانی علم و عمل، ہنر و فن اور اخلاق و کردار سے تعلق	037
	راہِ سلوک کی منازل، کیفیات اور مقامات	039
	تصوف میں وصال کا مفہوم	040
	تزکیۂ نفس کے مراحل	043
	توحید افعالی، توحید صفاتی، توحید ذاتی	044
	اقسامِ نسبت	046
	قربِ نوافل اور قربِ فرائض	046
	نقشہ مراتبِ وجود (اول)	047
	جمع بین القربین	047
	حیات و مماتِ مردِ مومن	048
	قصیدہ غوثیہ	049
	فنا و بقا کے مراحل	051
	صوفیہ کے نزدیک دنیا کا مفہوم	052
	وسیلہ کی ضرورت و اہمیت	053
	علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین	054
	لطائفِ ستہ	054
	مراتبِ سلوک اور تعینات و تنزلات	054
	نقشہ مراتبِ وجود	055
	تنزلات کا مفہوم واضح کرنے کے لیے پانی کی مثال	056
	سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق تنزلاتِ ستہ کا مفہوم	056
	نقشہ برائے وضاحت مراتبِ سلوک اور تعینات و تنزلات و ظہورات	058
	انسانی زندگی کی غرض و غایت اور مقصدِ حقیقی	059
	سروری قادری سلوکِ روحانی (فقرِ باہو)	060
	معرفت اور دیدار کا راستہ	060
	مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری	060
	مجلسِ حق کی پہچان	060
	مشاہدۂ حق	061
	باطنی نعمتوں کا حصول	061
	تصوّرِ اسمِ ذات سے ذکر کا جاری ہونا	061
	مراقبہ اسمِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم	061
	تصورِ اسمِ ذات سے کسبِ فیض کا طریقہ	061
	باطنی لطائف	062
	لطائف کی پہچان	062
	بذریعہ الہام ذاتِ باری تعالیٰ سے رابطہ	062

	اقسامِ الہام	062
	الٰہیاتی الہام	062
	نبوی، اولیائی اور شہیدی الہام	063
	ملکی الہام، جناتی اور شیطانی الہام، دنیوی الہام، نفسانی الہام، الہام از ارواحِ مقدسہ، قلبی الہام، رسولی الہام، کلام کی پہچان	063
	انبیاء واولیاء سے روحانی ملاقات کا طریقہ،	063
	حاضرات کی اقسام	063
	باطنی علوم کا حصول	064
	باطنی حجابات سے نجات پانے کا طریقہ	064
	راہِ باطن	065
	باطنی جُسّے	065
	سروری قادری سلوکِ روحانی کے مقامات واحوال	065
	شرح موت وحقیقت مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا	067
	مراتبِ فقر بلحاظ مقامِ ناسوت	067
	مرتبہ قربِ وحدانی	068
	مرتبہ فقر خاص الخاص	068
	فقر خاص الخاص لایحتاج کے مراتب	068
	فقیر صاحب عیان	069
	فقر مکب وفقر محبّ	069
	مراتبِ غنایت	069
	مقام ومرتبہ فقیر	070
	طالبِ صادق کے لیے ضابطہ عمل	070
	بلحاظ فیض رسانی مرشد کی اقسام	070
	فقر خاص الخاص کے مقامات	071
	عارفوں کے احوال	072
	حوالہ جات وحواشی	073

راہِ سلوک

صحیح مقصدِ حیات کا تعین انسان کی فطرت کی ایک شدید ضرورت ہے۔ اس کے بغیر انسان کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے مقصدِ حیات سمجھیں۔ یہ سمجھیں کہ آپ کو کیوں پیدا کیا گیا؟ آپ کی زندگی کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ آپ کا اللہ تعالیٰ اور اس کائنات سے کیا رشتہ ہے؟

مقصدِ حیات کے تعین کے بعد اسے حاصل کرنے کے لیے راہِ عمل متعین کریں۔ مقصد کے حصول کے لیے ضروری علم حاصل کریں۔ جو علم حاصل کریں اس پر عمل کریں لیکن عمل سے پہلے نیت اور ارادہ واضح کر لیں۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَّانَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَأَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا، وہ فرماتے تھے، تمام عملوں کا اعتبار نیتوں سے ہے اور ہر شخص وہی کچھ پائے گا جو کچھ اس نے نیت کی۔ جس نے اللہ اور رسول کے لیے ہجرت کی۔ اس کی ہجرت اللہ رسول کے لیے ہوگی اور جس نے دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہجرت کی تو اس کی ہجرت اسی کے لیے شمار ہوگی جس غرض سے اس نے ہجرت کی۔ (1)

مندرجہ بالا حدیث پاک سے واضح ہے کہ عمل سے پہلے نیت اور ارادہ پر غور کرنا ضروری ہے۔ اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی رضا کے لیے کیے گئے نیک کاموں پر اجر ملے گا جبکہ دنیوی اغراض ومقاصد کے لیے کیے گئے کاموں پر کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا۔ اگر کوئی انسان قرب ورضائے الٰہی کو مقصدِ حیات بنالے اور تمام زندگی اس مقصد کے حصول کے لیے وقف کر دے تو اس کے تمام اعمال سراپا خیر بن جاتے ہیں۔ اس کا کھانا پینا، سونا جاگنا، تمام معاملاتِ زندگی عبادت شمار ہوتے ہیں۔ نیت اور ارادہ کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔ (2)

نیک نیتی کا بظاہر کوئی اثر وتاثیر ظاہر ہو یا نہ ہو، اس کا اجر وثواب ضرور ہوتا ہے اور دیگر فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ نیت (ارادہ) کی ضرورت واہمیت کے بارے میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے:

''......اگر کوئی روزہ کی نیت کے بغیر بھوکا رہے تو اسے بھوک کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ اور جب وہ روزے کی نیت کر لے تو مقربین میں شامل ہو جاتا ہے اور اس پر ظاہری اثرات بھی عیاں ہو جاتے ہیں۔ نیز جب کوئی مسافر کسی شہر میں وارد ہوتا ہے تو وہ اس وقت تک مقیم نہیں ہوتا جب تک کہ وہ نیت اقامت نہ کرے۔ جب وہ اقامت کی نیت کر لیتا ہے تو وہ مقیم ہو جاتا ہے......''(3)

نیکی کا ارادہ ہی نیکی کرنے کے مترادف ہے۔ اگر کوئی بدی کا ارادہ کرے مگر بدی نہ کرے اور برا ارادہ ترک کر دے تو اس پر بھی نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ نیکی کے ارادہ پر اجر ملنے کے علاوہ نیکی کرنے پر کم از کم دس سے لے کر سات سو تک بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ نیکیاں ملتی ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ ارشادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْمَا يَرُوِيهِ عَنْ رَّبِّهٖ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ وَّلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً وَّاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمَلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهٗ عَشَرَ حَسَنَاتٍ اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ اِلٰى اَضْعَافٍ كَثِيْرَةٍ وَّ اِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهٗ حَسَنَةً كَامِلَةً وَّاِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمَلَهَا كَتَبَهَا اللّٰهُ عِنْدَهٗ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نیکیاں اور بدیاں لکھ دی ہیں۔ پھر (اس طرح) اس کی وضاحت کی کہ اگر کوئی شخص دل میں نیک عمل کا ارادہ کرے تو عمل سے پہلے ہی اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ اگر ارادہ کے ساتھ اس کو کر بھی لے تو اللہ تعالیٰ دس سے لے کر سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہے بلکہ اس سے بھی چند در چند زیادہ اگر وہ کسی بدی کا ارادہ کرے مگر اسے کرے نہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اپنے ہاں ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے۔ اگر ارادہ کر کے کر بھی گذرے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو اپنے ہاں صرف ایک بدی لکھ دیتا ہے۔ (4)

دینِ اسلام کے مطابق انسان کی زندگی کا مقصد قرب و معرفتِ الٰہی کا حصول ہے۔ تمام عبادات یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور معاملاتِ زندگی، تعلم و تعلیم، باہمی لین دین، تجارت، میل جول کا مقصد حصول قرب و معرفتِ الٰہی ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کے ہاں خلوص و محبت اور نیک نیتی کو بہت زیادہ قدر و منزلت حاصل ہے۔ مندرجہ بالا احادیث سے واضح ہے کہ جب کوئی انسان نہایت نیک نیتی، خلوص اور محبت سے عہد کر لیتا ہے کہ میرا مقصدِ حیات قرب و رضا اور معرفتِ الٰہی حاصل کرنا ہے تو اس کے نامہ اعمال میں اس نیک نیتی پر زندگی بھر کا اجر و ثواب لکھ دیا جائے گا اور پھر اس راہ پر نیک کام سرانجام دینے کا اجر و ثواب بھی ملے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ والحمد للہ رب العالمین)

فلسفۂ گناہ و ثواب میں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ جس ارادہ و عمل سے ذاتِ باری تعالیٰ کا قرب و رضا حاصل ہو اس پر ثواب ملتا ہے اور جس ارادہ و عمل سے انسان ذاتِ باری تعالیٰ سے بُعد اور غضب کا حقدار ٹھہرے اس پر گناہ ملتا ہے۔ گناہ و ثواب کو دنیوی تجارت کے میزان پر نہیں بلکہ قرب و رضا کے میزان پر تصور کرنا چاہیے۔

عزیزانِ من! مقصدِ حیات کے تعین اور اس کے حصول کے ارادہ و نیت کے بعد توفیقِ الٰہی طلب کریں۔ طلبِ توفیق سے مراد کسی کام کے کرنے میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور مدد حاصل کرنا ہے۔ جب انسان کو کسی عمل کے لیے توفیق عطا ہوتی ہے تو وہ اس عمل کے لیے خاص قسم کی روحانی طاقت، جذبہ اور شوق محسوس کرتا ہے۔ جسے توفیق عطا ہوا اُسے روحانی مدد مل جاتی ہے اور ظاہری وسائل بھی میسر آ جاتے ہیں۔ درحقیقت وہ کوئی کام کرتا نہیں بلکہ اس سے وہ کام کرایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

> ''...... جب انسان مطیع خدا ہو جاتا ہے تو اس میں زیادہ سے زیادہ طاقت آ جاتی ہے اور پہلے کی بہ نسبت زیادہ قوت پیدا ہو جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً بندے سے جو حرکات و سکنات سرزد ہوتی ہیں وہ دراصل خداوند تعالیٰ کا ہی فعل اور وصف ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ قوت جو بندہ اس اطاعت سے حاصل کرتا ہے توفیق کہلاتی ہے...... '' (5)

توفیقِ الٰہی طلب کرنے کے بعد مقصدِ حیات کے حصول کے لیے ضروری علم حاصل کریں۔ بلا مقصد اور بلا ضرورت کوئی علم حاصل نہ کریں۔ غیر نافع علم ہرگز حاصل نہ کریں۔ اس ضمن میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''بندے کا علم حکمِ خدا کی بجا آوری اور اس کی ذات کی معرفت کے لیے ہونا چاہیے۔ بندے پر یہ بھی فرض ہے کہ اپنے زمانے کے علم کو جانے اور ایسے علم کے ظاہر و باطن کو بھی جانے جو وقت پر کام آئے...... '' (6)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے ضروری علم کے حصول کے سلسلہ میں نہایت واضح اصول ارشاد فرمایا ہے۔ مقصدِ حیات کے حصول کے لیے اور معاملاتِ زندگی بہتر طور پر سرانجام دینے کے لیے ہر کوئی اپنے علاقے اور زمانے کے مطابق اور آئندہ کی ضروریات کے مطابق علم حاصل کر سکتا ہے۔ رزقِ حلال کمانے کے لیے ضروری علم حاصل کرنا بھی عبادت ہے۔ ملک و قوم کی خدمت کے لیے، عصرِ حاضر کے مطابق مادی و سائنسی علوم حاصل کرنا بھی عبادت ہے۔

سب سے زیادہ ضروری علم شریعت ہے کیونکہ تمام معاملاتِ زندگی اور معاملاتِ روحانی دائرہ شریعت میں رہ کر ہی احسن طور پر سر انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ جس طرح ہر ظاہر کا ایک باطن ہے۔ اس طرح علمِ شریعت کا باطن، علم حقیقت ہے۔ اس سے مراد شرعی احکامات کے حقیقی مقاصد کا علم ہے جن کے حصول کے لیے تمام تگ ودو کی جاتی ہے۔ علمِ حقیقت کے تین ارکان ہیں۔ رکن اول علم ذاتِ خداوندی اور اس کی وحدانیت پر اعتقاد اور اس کی ذات پاک کی تشبیہہ (Assimilation) سے نفی ہے دوسرا رکن علم صفات باری تعالیٰ اور اس کے احکام کی پابندی، تیسرا رکن رب العزت کے افعال وحکمت کا علم ہے۔

علم حقیقت کو علم باطن اور علم تصوّف بھی کہتے ہیں۔ علم شریعت اور علم حقیقت دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر محال ہے۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

''......ظاہر کو درست رکھنا اور دل میں اس کے خلاف ہونا نفاق ہے اور باطن کی اصلاح ظاہر کے بغیر زندقہ والحاد ہے۔ اور شریعت کا ظاہر، باطن کی درستی کے بغیر ناقص ہے۔ اور جو چیز باطن میں نہ ہو اسے ظاہر داری میں دکھانا محض ہوس ہے......'' (7)

ضروری علم کی تحصیل کے ضمن میں منہاج العابدین میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ عدم واقفیت کی بنا پر ہلاکت سے محفوظ نہ رہنے کا خدشہ جس چیز سے بھی لاحق ہوگا اس کا جاننا فرض ہے اور اسے نظر انداز یا ترک کر دینا کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔ حقیقی طور پر عبادت سرانجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ انسان درج ذیل تین علوم اس حد تک ضرور حاصل کرے جس سے واجباتِ شرعیہ کا تعین ہو جائے۔

1۔ علم التوحید　2۔ علم السّر (علم باطن)　3۔ علم شریعت

علم توحید، علم باطن میں شامل ہے۔ علم باطن کی اس حد تک معرفت ضروری ہے جس سے دل مصفّیٰ ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتکریم، خلوص، درستگیٔ نیت اور اعمال کی سلامتی حاصل ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ تصفیۂ قلب کے لیے کیا چیزیں ضروری ہیں اور کن چیزوں کے احتراز سے تصفیۂ قلب کا سامان پیدا ہوسکتا ہے۔ علم توحید کا اس قدر جاننا ضروری ہے جس سے عقیدہ واعتقاد درست رہ جائیں۔ اس کے علاوہ علمِ توحید کی فروع، باریکیاں اور باقی تمام مسائل کا علم فرض نہیں ہے۔ علم شریعت میں سے اس حد تک جاننا ضروری ہے جس سے امور واجبہ کو ادا کرنا ممکن ہو جیسا کہ طہارت اور نماز وروزہ کے مسائل ہیں۔ جہاں تک حج، زکوٰۃ اور جہاد کا تعلق ہے اگر تو، آپ ان امور کے مکلّف ہیں اور صاحبِ استطاعت ہیں تو پھر ان کے مسائل کی معرفت بھی ضروری ہے تاکہ کماحقہٗ ان کی ادائیگی بھی ممکن ہو سکے اور اگر آپ پر یہ چیزیں فرض نہیں تو پھر ان کی جزئیات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ بس اسی قدر ان علوم کی معرفت ضروری ہے۔ (8)

امورِ عبادت کے تمام معاملات کی بنیاد علم، خصوصاً علم معرفت (علم باطن، علم توحید، علم سِر) پر ہے۔ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ:

يٰدَاوٗدُ تَعَلَّمِ الْعِلْمَ النَّافِعَ فَقَالَ اِلٰهِيْ وَمَا الْعِلْمُ النَّافِعُ فَقَالَ اَنْ تَعْرِفَ جَلَالِيْ وعَظْمَتِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَكَمَالَ قُدْرَتِيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَاِنَّ هٰذَا الَّذِيْ يُقَرِّبُكَ اِلَيَّ

اے داؤد! علم نافع سیکھ۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کی الٰہ العالمین علم نافع کون سا ہے ارشاد ہوا کہ جس علم سے میری عظمت وجلال، میری کبریائی اور ہر چیز پہ میرے کمالِ قدرت کی معرفت حاصل ہو جائے بےشک یہی علم ہی میرے قرب کا ذریعہ ہے۔ (9)

علم شریعت کے ساتھ علم معرفت (علم تصوف، علم حقیقت) کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب ظاہری وباطنی دونوں امور کے لیے قرآن وحدیث کی شہادت موجود ہے تو پھر یہ کسی طرح بھی مناسب وممکن نہیں کہ نماز وروزے پر تو بھرپور توجہ ہو اور فرائض باطنی کا خیال تک نہ ہو جبکہ ظاہری وباطنی دونوں امور کا حکم ایک ہی رب نے ایک ہی کتاب میں دیا......'' (10)

مزید فرماتے ہیں:

''ظاہری اعمال کا باطنی کاوشوں سے بڑا گہرا تعلق ہے اگر باطنی امور درست ہوں تو لامحالہ وہ ظاہری امور پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اگر باطنی امور مثلاً اخلاص کی جگہ ریا اور خود پسندی لے لے تو اعمال ظاہری فاسد وباطل ہو جاتے ہیں جو شخص ان باطنی کاوشوں اور عبادت ظاہری میں ان کی وجوہ تاثیر اور حفاظتی کیفیت کو نہیں پہچانتا اور اعمال کے تحفظ کا گمان رکھتا ہے اس کے لیے ظاہری اعمال کی سلامتی ناممکن ہے بلکہ ظاہری

باطنی عبادات ضائع ہو جاتی ہیں اور شقاوت و کدورت کے سوا اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں آتا یہ بہت بڑے خسارے کا سودا ہے۔'' (11)

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف کے صفحہ نمبر 80 پر فرماتے ہیں کہ ظاہری علوم (خصوصاً علمِ شریعت و دیگر ذیلی علوم) خالص دودھ کی مانند ہیں جو پینے والوں کے حلق سے آسانی سے اتر جاتا ہے۔ ان علوم کے ذریعے یقین وایمان حاصل ہوتا ہے جو اسلام کی اصل بنیاد ہے مگر صوفیائے کرام کے علوم کا تعلق مقام مشاہدہ میں عین الیقین اور حق الیقین سے ہے جو دودھ سے نکلے ہوئے مکھن کی مانند ہے۔ دودھ نہ ہو تو مکھن بھی نہ نکلے۔ تاہم اصل مقصد مکھن کی چکنائی ہے جو دودھ سے نکلتی ہے۔ ایسی صورت میں دودھ کا پانی ایک جسم کے مانند ہے جس سے چکنائی کی روح برقرار رہتی ہے اور پانی اسے قائم رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ...... الانبیاء[21:30] ہم نے پانی کے ذریعہ ہر چیز کو زندہ رکھا۔

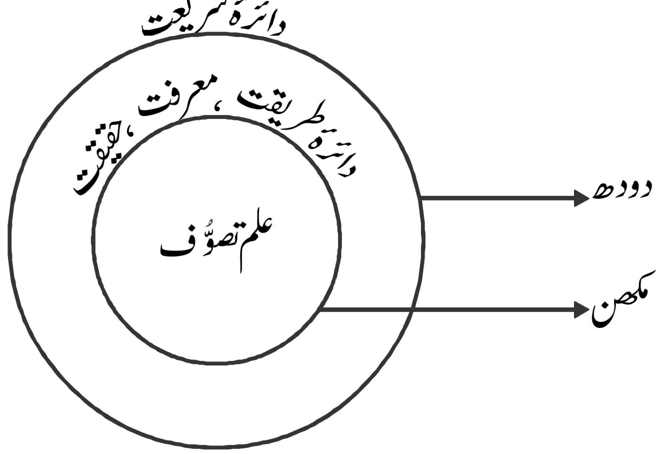

علم تصوف کو علم باطن، علم معرفت، علم وراثت، مابعد الطبیعاتی علم اور مابعد النفسیاتی علم کے ناموں سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ علمِ تصوّف روحِ دین ہے۔ صوفیہ عظام اور اولیائے کرام علم تصوّف اور علم شریعت (علم فقہ) دونوں کی ضرورت و اہمیت تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت شیخ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ دونوں علوم کے باہمی تعلق اور ضرورت و اہمیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''.....علم باطن کی مثال ایسے ہے جیسے کسی تحریر کی 99 سطور آب زر کے ساتھ لکھی گئی ہوں اور 100 ویں سطر روشنائی کے ساتھ لکھی گئی ہو اور اس تحریر کی کیفیت یہ ہو کہ جب تک 100 ویں سطر کا مفہوم سمجھ میں نہ آئے اس وقت بقیہ 99 سطور سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو سکتا ہو۔ اگر کسی شخص کو ظاہری علم کے بغیر فتح نصیب ہو جائے تو اس کی سلامتی کا امکان بہت کم ہوتا ہے۔''

''.....علم ظاہر کی مثال اس لالٹین کی مانند ہے جو رات کی تاریکی میں فائدہ پہنچاتی ہے جبکہ علم باطن کی مثال نصف النہار کے وقت چمکتے ہوئے سورج کی مانند ہے۔ ہو سکتا ہے کہ عین دوپہر کے وقت کوئی شخص یہ کہے کہ سورج کی موجودگی میں لالٹین کی کیا ضرورت ہے؟ اور پھر وہ اس لالٹین کو پھینک دے لیکن جب رات آئے گی تو اسے اپنی حماقت کا احساس ہو گا لہٰذا اگلے دن کی روشنی سے لطف اندوز ہونے کے لیے لالٹین کا وجود شرط ہے۔''

''بہت سے لوگ اس مقام پر آکر پھسل جاتے ہیں اور ان کو دن کی روشنی دوبارہ اس وقت تک نصیب نہیں ہوتی جب تک وہ دوبارہ لالٹین حاصل کر کے اسے روشن نہ کریں لیکن دوبارہ روشن کرنے کی توفیق کسی کو نصیب ہوتی ہے اور کسی کو نصیب نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کی بدولت ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔'' (12)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مکتوبات (جلد دوم، مکتوب نمبر 60، صفحہ نمبر 216) میں ضروریاتِ دینی کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

''اول اس اعتقاد کا درست کرنا ضروری ہے جو حق تعالیٰ کی ذات وصفات وافعال سے تعلق رکھتا ہے۔ اور پھر اعتقاد کرنا چاہیے کہ جو کچھ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام حق تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں اور ضرورت و تواتر کے طور پر دین سے معلوم ہوا ہے۔ یعنی حشر ونشر و آخرت کا دائمی عذاب و ثواب اور سب سُنی سُنائی باتیں حق ہیں۔ ان میں خلاف کا احتمال نہیں۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہو گا، نجات بھی نہ ہو گی۔

دوسرے احکام فقہیہ یعنی فرض و واجب و سنّت و مستحب وغیرہ کا بجالانا ضروری ہے۔ شرعی حِلّ و حرمت کو اچھی طرح مدنظر رکھنا چاہیے اور حدودِ شرعی میں بڑی احتیاط کرنی چاہیے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات و فلاح حاصل ہو سکے۔ جب یہ اعتقاد و عمل درست ہو جائیں پھر طریق صوفیہ کی نوبت آتی ہے اور کمالاتِ ولایت کے اُمیدوار ہو جاتے ہیں۔''

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''ضروریات کو چھوڑ کر فضولیات میں مشغول ہونا اپنی عمر کو بیہودہ باتوں میں صرف کرنا ہے۔ اور اعراض کی علامت میں آیا ہے کہ عَلَامَةُ اِعْرَاضِہٖ تَعَالٰی مِنَ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُہٗ بِمَا یَعْنِیْہٖ بندہ کا بیہودہ باتوں میں مشغول ہونا بندہ کی طرف سے حق تعالیٰ کے منہ پھیرنے کی علامت ہے۔''(13)

ایسا انسان جو غیر ضروری علوم حاصل کرتا ہے اور فضول کاموں میں مشغول رہتا ہے وہ اپنا قیمتی سرمایۂ حیات ضائع کرتا ہے اور اس کا فضول کاموں میں مشغول ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کا شکار ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ مقصدِ حیات کے پیشِ نظر صرف ضروری علم حاصل کرے اور اس کی روشنی میں اپنا عمل درست کرے۔

تحقیق سے واضح ہوتا ہے کہ علم تصوف کا دائرہ کار بہت وسیع ہے۔ اس میں علم توحید، علم حدیث، علم فقہ، علم النفس، علم زہد، علم مراقبہ، علم محاسبہ، سب ضرورت کی حد تک شامل ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے علوم صوفیہ کے عنوان کے تحت اس طرح کے بیس علوم کا ذکر فرمایا ہے۔ اس ضمن میں مزید فرماتے ہیں:

''یہ علوم اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر وقت کی گنجائش ہوتی تو ہم ان کی تفصیلات کئی جلدوں میں بیان کرتے، مگر عمر بہت تھوڑی ہے اور وقت بہت عزیز ہے...... ان تمام علوم کے پیچھے دیگر علوم بھی ہیں جن پر عمل کر کے علمائے آخرت نے کامیابی حاصل کی۔ مگر دنیادار علماء اس سے محروم رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام علوم ذوقِ سلیم پر مبنی ہیں اور ذوقِ سلیم وصحیح وجدان قلبی کے بغیر انہیں حاصل نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ شکر کی شیرینی کو بیان نہیں کیا جا سکتا بلکہ جو اسے چکھتا ہے وہی اس کی حلاوت کا مزہ جانتا ہے۔''(14)

اخلاص فی العمل کی قدر و قیمت:۔ حضرت شیخ ابونصر سراج طوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اللّمع فی التصوّف کے صفحہ نمبر 37 تا صفحہ نمبر 39 پر نہایت مدلل انداز سے ارشاد فرمایا ہے کہ محدثین، فقہا اور صوفیا علمائے حق ہیں۔ اخلاص فی العمل کی بدولت انہیں اپنے علم و عمل کی وجہ سے قرب و رضائے باری تعالیٰ عطا ہو جاتے ہیں۔ ایک محدث، فقیہہ اور صوفی بھی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک فقیہہ، محدث اور صوفی بھی ہو سکتا ہے۔ ایک صوفی، محدث اور فقیہہ بھی ہو سکتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے پر علم اور تقویٰ کی وجہ سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے۔ تصوف میں اخلاص فی العمل کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اخلاص کے بغیر کسی محدث اور فقیہہ کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ کوئی بھی انسان جو اخلاص نہیں رکھتا۔ صوفی ہرگز نہیں ہو سکتا۔

عَنْ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَیْضاً قَالَ بَیْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ اِذْ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ شَدِیْدُ بَیَاضِ الثِّیَابِ شَدِیْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ لَا یُرٰی عَلَیْہِ اَثَرُ السَّفْرِوَلَا یَعْرِفُہٗ مِنَّا اَحَدٌ حَتّٰی جَلَسَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّے اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاسْنَدَرُکْبَتَیْہِ اِلٰی رُکْبَتَیْہِ وَوَضَعَ کَفَّیْہِ عَلٰی فِخِذَیْہِ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَتُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ وَتُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً قَالَ صَدَقْتَ

فَعَجَبْنَا یَسْأَلُہٗ وَیُصَدِّقُہٗ قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ قَالَ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ قَالَ صَدَقْتَ

قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ قَالَ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرٰکَ قَالَ صَدَقْتَ قَالَ

فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ، قَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ۔
قَالَ فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا، قَالَ اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّهَا وَاَنْ تَرَی الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاةِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِی الْبُنْيَانِ ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثَ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِیْ يَا عُمَرُ اَتَدْرِیْ مَنِ السَّآئِلُ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهٗ جِبْرَئِيْلُ اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ ط

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ اور اسی اثنا میں ایک اجنبی شخص ہم پر نمودار ہوا۔ جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت ہی سیاہ تھے۔ نہ اس پر سفر کا کوئی نشان دکھائی دیتا تھا۔ نہ ہم میں سے کوئی اُسے پہچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آبیٹھا اور اپنے دونوں زانو حضرت کے زانوؤں سے ملا دیئے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے زانوؤں پر رکھ لیں اور عرض کی:

''اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)، مجھے اسلام کے متعلق بتائیے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا:
اسلام یہ ہے کہ تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کے رسول اور بندے ہیں۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، اور استطاعت ہو تو خانہ کعبہ کا حج کرو۔ اس نے کہا،'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سچ فرمایا۔''
ہمیں اس بات پر حیرانی ہوئی کہ خود سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ ''مجھے ایمان کی حقیقت بتلایئے۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: ''اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لاؤ اور خیر وشر کی تقدیر پر یقین رکھو۔'' اس نے کہا،'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سچ فرمایا''۔
پھر اس نے کہا کہ: ''مجھے احسان کے متعلق خبر دیجئے''۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: ''خدا کی اس طرح عبادت کر گویا تو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اُسے نہیں دیکھ پاتا تو (کم از کم یہ تصور کر کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ اس نے کہا: '' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے سچ فرمایا۔''
پھر اس نے کہا'' قیامت کے بارے میں مجھے مطلع فرمایئے۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ ''اس کے متعلق جس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔''
پھر اس نے عرض کی ''اچھا قیامت کی کچھ علامتیں بتا دیجئے۔'' آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ ''جب باندیاں اپنے آقا جننے لگیں۔ ننگے پاؤں پھرنے والے ننگے جسم والے فقیر اور بکریاں چرانے والے بڑی بڑی عمارتوں پر فخر کرنے لگیں۔
اس کے بعد وہ شخص چلا گیا پھر کچھ دیر ٹھہر کر حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مجھے فرمایا:
اے عمر: '' کیا تم سائل کے بارے میں جانتے ہو؟'' میں نے عرض کی کہ ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں''۔ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا،'' یہ جبرائیلؑ تھے تمہیں دین سکھانے کے لیے آئے تھے''۔ (15)

شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ اس ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ''روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ مگر میرے نزدیک، اللہ بہتر جانتا ہے، یہ ہے کہ جو اولوالعلم عدل وانصاف کو قائم رکھتے ہیں اور انبیاء کے وارث ہیں وہ صرف وہ لوگ ہیں جو کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فرمانبرداری میں کوشاں رہتے ہیں اور جو صحابہ اور تابعین کی پیروی کرتے ہیں اور جو اللہ کے متقی ولیوں اور نیک بندوں کی راہ پر چلتے ہیں۔ اور ان کی تین قسمیں ہیں (۱) اصحاب حدیث (۲) فقہاء (۳) اور صوفیہ لہٰذا یہی تین گروہ ہیں جو''اولوالعلم القائمین بالقسط''میں سے ہیں اور یہی لوگ انبیاء کے وارث ہیں۔ اسی طرح علم کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ ان علوم میں سے علم دین کی تین قسمیں ہیں۔ علم قرآن، علم سنت اور بیان اور تیسرا علم حقائق ایمان۔ یہی وہ علوم ہیں جو ان تینوں قسموں کے علماء کے ہاں مروج ہیں۔ تمام دینی امور ان تین صورتوں سے باہر نہیں ہو سکتے، یا تو یہ قرآنی آیت ہوگی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث ہوگی یا استدلال کے ذریعے سے نکالی ہوئی کوئی ایسی حکمت کی بات ہوگی جو اللہ کے کسی ولی کے دل پر وارد ہوئی ہوگی۔ اس کی اصل وہ ایمان والی حدیث ہے جس میں جبرائیل نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان تین اصولوں کے متعلق سوال کیا تھا۔ اسلام، ایمان اور احسان یا (بالفاظ دیگر) ظاہر،

باطن اور حقیقت۔ چنانچہ اسلام ظاہر ہے، ایمان ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور احسان ظاہر اور باطن دونوں کی حقیقت ہے اور اس کی بنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس قول پر ہے: تو اللہ کی اس طرح عبادت کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہو اور اگر تو اللہ کو نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے اور جبرئیل نے آپ کے اس جواب کی تصدیق بھی کر دی تھی۔

علم و عمل کا چولی دامن کا تعلق ہے اور عمل اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے اور اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے علم اور عمل کے ذریعے اللہ کی رضامندی کا خواہاں ہو ان تینوں چیزوں میں علم و عمل کے اعتبار سے باہمی فرق پایا جاتا ہے اور مقاصد اور درجات کے لحاظ سے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تفاوت کا یوں ذکر کیا ہے:

......وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط......المجادلہ [58:11]

جن لوگوں کو علم دیا گیا ان کے کئی درجے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ط......الانعام [6:132] الاحقاف [46:19]

ہر ایک کے ان کے اعمال کے اعتبار سے درجے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط......الاسراء [17:21]

دیکھو تو ہم نے انہیں ایک دوسرے پر کیسے فضیلت دے رکھی ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: سب لوگ ایک جیسے ہیں جس طرح کنگھی کے دندانے۔ کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں اگر ہے تو علم اور تقویٰ کی وجہ سے۔ لہٰذا اگر کسی شخص کو دین کی کسی اصل، دین کی کسی فرع، دین کے حقوق، حقائق، حدود اور احکام میں کوئی ظاہری یا باطنی اشکال پیدا ہو جائے تو اسے ان تین قسم کے لوگوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اصحاب حدیث، فقہاء اور صوفیہ۔ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی علم، عمل اور حقیقت سے موصوف ہے اور درحقیقت ان میں سے ہر صنف میں علم، عمل، فہم، مقام، مقال، مکان، فقہ اور بیان پایا جاتا ہے۔ جسے اس کا علم ہو گیا، ہو گیا اور جو جاہل رہا وہ پھر جاہل ہی رہا مگر کوئی شخص بھی کمال کو نہیں پہنچ سکتا بایں طور کہ وہ تمام علوم، اعمال اور احوال پر حاوی ہو۔ ہر شخص کا وہی مقام ہے جہاں اللہ نے اسے کھڑا کر دیا اور اس کا محل وہ ہے جہاں اللہ نے اسے مقید کر دیا۔''

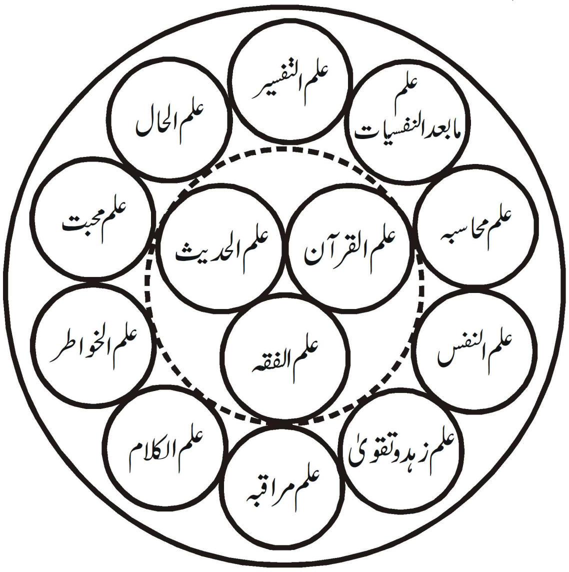

دائرہ علومِ تصوّف

علمِ تصوف میں تمام ضروری دینی علوم شامل ہیں۔ اس کی ضرورت و اہمیت بیان کرتے ہوئے شیخ ابوالقاسم عبدالکریم ہوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں:

مرید کے لیے یہ بات قبیح ہے کہ وہ صوفیاء کے مذہب (راستے) کو چھوڑ کر کسی اور مذہب سے نسبت قائم کرے۔ اگر کوئی صوفی، صوفیاء کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے پر چلتا ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ صوفیاء کے طریقہ سے جاہل و بے خبر ہے۔ بے شک مسائل میں ان

کے دلائل دوسروں کے دلائل سے زیادہ واضح ہیں اور ان کے مذہب کے اصول دیگر مذاہب کے مقابلے میں زیادہ مضبوط ہیں۔ دوسرے لوگ یا تو روایت نقل کرتے ہیں یا عقل وفکر کو استعمال کرتے ہیں جبکہ اس طریقہ کے شیوخ ان تمام باتوں سے آگے نکل گئے ہیں (یعنی مشاہدہ تک پہنچ گئے) پس جو چیز دوسروں کے لیے غیب ہے وہ ان کے لیے ظاہر ہے اور جو امورِ معرفت دوسرے لوگ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے موجود ہیں، پس یہ وصال والے اور دوسرے استدلال والے ہیں۔ اور یہ اس طرح ہیں جس طرح کسی شاعر نے کہا:

لَیْلِیْ بِوَجْهِكَ مُشْرِقٌ وَظِلَامُهٗ فِیْ النَّاسِ سَارِیْ
فَالنَّاسُ فِیْ سُدَفِ الظَّلَامِ وَنَحْنُ فِیْ ضَوْءِ النَّهَار

میری رات تیرے چہرے کی بدولت روشن ہے حالانکہ اس کی تاریکی لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے۔
پس لوگ شدید تاریکی میں ہیں اور ہم دن کی روشنی میں۔ (16)

علمِ تصوّف (علمِ معرفت) کی فضیلت اور ضرورت واہمیت:۔ ''سیّد شاہ گل حسن قلندری قادری، ''تعلیمِ غوثیہ'' میں علمِ تصوّف (علمِ معرفت) کی فضیلت اور ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خاص صحابہ کرام مثل حضرت ابوبکر صدیقؓ وعمر فاروقؓ وحضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ وحضرت ابوہریرہؓ وحضرت سلمان فارسیؓ وحضرت زیدؓ وغیرہ کو اعلیٰ قدر مراتب فہم وادراک تعلیم فرمائی۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔ **مَا صَبَّ اللّٰهُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُ فِی صَدْرِ اَبُوْ بَکْر**[1] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ نہیں ڈالا اللہ نے میرے دل میں کوئی علم مگر ڈالا میں نے ابوبکر کے سینے میں۔ دوسری حدیث میں آیا ہے۔ **مَا فَضَّلَکُمْ اَبُوْبَکْر بِکَثْرَتِ صِیَامٍ وَلَا صَلٰوةٍ وَّلٰکِنْ بِسِرٍّ وُّقِرَفِیْ صَدْرِهٖ**[2]۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابوبکرؓ تم پر روزہ اور نماز کی زیادتی سے افضل نہیں ہوا بلکہ ایک بھید اور علم کی وجہ سے جو اس کے سینہ میں ڈالا گیا ہے۔ پس وہ راز علم فقر ہے جس سے حضرت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو فخر ہے۔ **وَقَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ** صلی اللہ علیہ وسلم **وِعَائَیْنِ فَاَمَّا اَحَدُ هُمَا فَبَثَثْتُهٗ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ لَوْبَثَثْتُهٗ قُطِعَ هٰذَا الْبُلْعُوْم**[3]۔ یعنی حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دو ظروف علم یعنی ظاہری وباطنی کے حاصل کیے ہیں ایک کو تو میں نے بیان کر دیا ہے اور اگر دوسرے کو بیان کروں تو میرے گلے کی مُری کٹ جائے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے علم ظاہر یعنی شریعت کو تو برملا وعلی الاعلان بیان کر دیا اور علم باطن یعنی فقر کو بیان نہ کر سکے ورنہ نادان لوگ اپنی کم فہمی کی وجہ سے قتل کر ڈالتے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے بھی ایک قول مشہور ہے۔ **عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ لَوْحَدَّ ثْتُکُمْ مَا اَعْلَمُ لَاَفْتَرَقْتُمْ عَلٰی ثَلَاثِ فِرَقٍ فِرْقَةٌ تُقَاتِلُنِیْ وَفِرْقَةٌ لَا تَنْصُرُ نِیْ وَفِرْ قَةٌ تُکَذِّبُنِیْ**۔ یعنی حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اگر میں تم سے وہ حدیثیں بیان کروں جو میں جانتا ہوں تو البتہ تم تین گروہ متفرق بن جاؤ گے۔ ایک گروہ میرے قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے گا اور ایک میری امداد سے دست بردار ہو جائے گا۔ اور ایک مجھ کو جھٹلائے گا۔ دیکھو شرح کنز العمال صفحہ 55 جلد 6۔ آپ اصحاب صُفّہ کے ایک بڑے آزاد رائے، قلندر مزاج رکن تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اکثر اوقات فرصت اور تنہائی کے وقت میں حضرت حذیفہؓ کو اسرارات الٰہی ورموزاتِ باطن کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اسی لیے آپ کو صاحب السّر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خطاب ملا۔''(17)

شیخ ابوالقاسم عبدالکریم ھوازن قشیری رحمۃ اللہ علیہ صوفیہ عظام اور ان کے علم وعمل کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''اسلام میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جس میں اس گروہ کے مشائخ میں سے کوئی بزرگ نہ ہوئے ہوں جن کو توحید کا علم اور قوم کی امامت حاصل نہ ہوئی ہو اور علماء میں سے ''ائمہ وقت'' نے اس شیخ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے ان کے سامنے عاجزی کا اظہار نہ کیا ہو اور ان سے برکت حاصل نہ کی ہو۔ اگر ان کو کوئی فضیلت اور خصوصیت حاصل نہ ہوتی تو معاملہ اس کے برعکس ہوتا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ

---

1. اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے۔
2. اس حدیث کو بیہقی اور ابن عدی نے بہ روایت ابن عمر بیان کیا ہے۔
3. اس حدیث کو امام بخاری نے نقل کیا ہے۔ صحیح بخاری جلد سوم حدیث 62

علیہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس موجود تھے کہ اس دوران حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے ابوعبداللہ (امام شافعی)! میں چاہتا ہوں کہ اس شخص (شیبان راعی) کو جہالت سے آگاہ کروں تا کہ یہ کچھ حاصل کرنے کی طرف توجہ دیں۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ایسا نہ کرنا۔مگر وہ باز نہ آئے اور کہا اے شیبان! اگر کوئی شخص دن رات کی پانچ (5) نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھنا بھول جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ کون سی نماز بھول گیا ہے تو اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، اس پر کیا واجب ہے؟

حضرت شیبان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اے احمد! یہ ایسا دل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے غافل کر دیا اس پر واجب ہے کہ اسے سزا دی جائے تا کہ اس کے بعد وہ اپنے مولا سے غافل نہ ہو۔

(یہ سن کر) حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے فرمایا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ ان کو نہ چھیڑیں۔

اور ان حضرات میں حضرت شیبان اُمی تھے (پڑھے ہوئے نہ تھے)، جب ان میں سے ایک اُمی کا یہ حال ہے تو ان کے ائمہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟(18)

شیخ ابونصر سراج طُوسی رحمۃ اللہ علیہ صوفیہ عظام اور علمِ تصوف کی فضیلت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''مجھے ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ خبر ملی ہے کہ ان کی ملاقات شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ابراہیم لوگوں کو ان کے پاس جانے، ان کے پاس کھڑا ہونے اور ان کا کلام سننے سے منع کیا کرتے تھے۔ابراہیم نے امتحان کے طور پر شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا: پانچ اونٹوں پر کس قدر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جواب ملا: درحقیقت صرف ایک بکری واجب ہے مگر جو کچھ ہم پر لازم ہے وہ یہ ہے کہ تمام اونٹ صدقہ میں دے دیئے جائیں۔ان کی مراد یہ تھی کہ جس مذہب کا ہم دعویٰ کرتے ہیں وہ تو یہ ہے۔

یہ جواب سن کر ابراہیم نے کہا: اس حکم کے بارے میں تم اکابر میں سے کسی کی مثال پیش کرو۔

شبلی نے جواب دیا: ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے لیے اس حکم میں پیشوا ہیں۔انہوں نے اپنا تمام مال دے دیا تھا۔تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: آپ اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہیں تو ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں عرض کیا تھا: اللہ اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ جواب سن کر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سے اُٹھ کر چلے گئے اور اس کے بعد کسی کو ان کے پاس جانے سے نہیں روکا۔(19)

نصاب:۔نصاب سے مراد کسی منزل تک پہنچنے کا راستہ، ذریعہ اور طریقہ ہے۔عربی میں نصاب کا مترادف لفظ 'منہاج' ہے۔انگریزی میں اس کے لیے کریکولم (Curriculum) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جو کہ لاطینی لفظ ہے۔اس کے معنی Run way یا راستے کے ہیں جس پر چل کر ایک فرد اپنی منزل پا لیتا ہے۔تعلیمی اصطلاح میں نصاب سے مراد وہ راستہ ہے جس پر چل کر کوئی فرد، افراد، معاشرہ یا قوم مطلوبہ تعلیمی اہداف حاصل کرتے ہیں۔نصاب مختلف ذہنی، جسمانی، معاشرتی اور مذہبی سرگرمیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔جن کے ذریعے فرد یا افراد کی تعلیم وتربیت کا فریضہ سرانجام دے کر تعلیمی مقاصد حاصل کیے جاتے ہیں۔آکسفورڈ ڈکشنری میں کریکولم کا مفہوم یوں دیا گیا ہے۔

"The subjects included in a course of study or taught at a particular school, college, etc." (20)

''کسی سکول، کالج، وغیرہ میں پڑھائے جانے والے مطالعہٗ کے نصاب میں شامل مضامین۔''

نصابِ تصوف:۔تصوف کا نصاب اور اس میں شامل مضامین عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی تشکیل پا گئے تھے۔اس نصاب کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ اور انسان کا رشتہ جوڑنا ہے اور اس کی تربیت کرنا ہے کہ وہ خلافت ونیابت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو کر اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے گزار سکے۔اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتب اور صحائف میں اسی نصاب کی تعلیم دی۔اس الہامی نصاب کی تعلیمات کے مطابق کردار سازی کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو بطور معلمین بھیجا۔اس نصاب کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا اور تزکیۂ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے لیے رحمۃ اللعالمین نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔یہ نصاب دنیا وآخرت

کی دوئی اور نجی معاملہ کے برعکس وحدت کا تصور دیتا ہے۔ یہ بیک وقت دینی بھی ہے اور دنیوی بھی، تاکہ انسان دنیا کو دین کے حوالے سے ہی سمجھے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں دنیا کے سارے امور سرانجام دے۔ [21]

رسالہ قشیریہ کے صفحہ نمبر 669، عوارف المعارف کے صفحہ نمبر 71، قوت القلوب (جلد اول) کے صفحہ نمبر 492، تصوف کے روشن حقائق کے صفحہ نمبر 99 تا 101، تعلیم کی اہمیت کے صفحہ نمبر 109 اور دین اسلام وتصوف کے دیگر مستند مآخذ کے مطابق نصابِ تصوف درج ذیل ہے۔ اس نصاب کے مطابق ماموربہ علم میں سے وہ علم حاصل کرنا عین ضروری ہے جو کہ فرضِ عین ہے۔ اس کے علاوہ ہر کوئی اپنے مزاج، معاملاتِ زندگی، ذمہ داریوں، پیشہ اور ملکی وقومی اور عصری تقاضوں کے مطابق وہ علم حاصل کرسکتا ہے جو فرض کفایہ یا مستحب ہے۔ جن غیر نافع علوم سے منع کیا گیا ہے وہ حاصل نہیں کرنے چاہئیں۔ نصابِ تصوف یا منہاجِ تصوف کے مطابق علم کی تین اقسام ہیں:

1۔ ماموربہ (وہ علم جس کے حصول کا حکم دیا گیا ہو)

2۔ منہی عنہ (وہ علم جس سے روکا گیا ہو)

3۔ مستحب

1۔ ماموربہ: اس کی دو اقسام ہیں (i)۔ فرضِ عین (ii)۔ فرض کفایہ

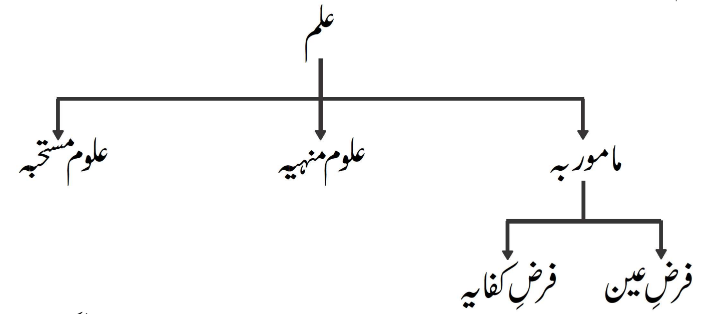

<u>فرضِ عین:۔</u> فرضِ عین وہ ہوتا ہے جو مکلّف کے بذاتِ خود ادا کرنے سے ہی ادا ہوگا۔ فرائض کی ادائیگی کا علم فرض، واجبات کی ادائیگی کا علم واجب اور سنت کی ادائیگی کا علم سنت ہے۔ صوفیہ کرام کے مطابق درج ذیل علوم ہر مکلّف پر فرض ہیں۔

1۔ بنیادی عقائد کے بارے میں یقینی علم حاصل کرنا تاکہ انسان شرک، کفر اور اوہام وخرافات سے بچ سکے۔

2۔ فرض عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج) کی صحیح طور پر ادائیگی کے لیے ضروری علم حاصل کرنا۔ اگر کوئی صاحبِ نصاب نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ اور حج کے مسائل کا علم حاصل کرنا فرض نہیں ہے۔

3۔ حقوق النفس اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے ضروری علم حاصل کرنا تاکہ انسان حلال وحرام، ضروری وغیر ضروری، مناسب وغیر مناسب میں فرق جان کر شرعی حدود کی پابندی کرسکے۔

4۔ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے لیے احوالِ قلب (توکل، خشیت، رضا، وغیرہ)، اخلاقِ حسنہ (صدق، اخلاص، عجز وانکسار، وغیرہ) اور اخلاقِ سیئہ (کذب، نفاق، تکبر، عجب، ریا، وغیرہ) سے آگاہ ہونا۔

5۔ تزکیۂ نفس کے لیے صوفیہ کے ذکر وفکر اور مجاہدات کے طریقوں سے آگاہ ہونا۔

6۔ رزقِ حلال کمانے کے لیے، ملک وقوم کی خدمت کے لیے اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے جائز اور ضروری علم حاصل کرنا تاکہ انسان اپنی ذمہ داریاں احسن طور پر سرانجام دے سکے۔

<u>فرض کفایہ:۔</u> فرض کفایہ وہ ہوتا ہے جس کو بعض لوگ ادا کردیں تو دیگر سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اگر ایک نے بھی ادا نہ کیا تو تمام لوگ گنہگار رہوں گے۔ فرض کفایہ میں وہ علوم اور ہنر شامل ہیں جن پر امت کی اصلاح موقوف ہے جیسا کہ علم فقہ، علم تفسیر، علم حدیث، علم حساب، علم طب (میڈیکل سائنس)، علم صنعت (انڈسٹری)، علم اسلحہ سازی وغیرہ۔

<u>علوم منہیہ:۔</u> باطل عقائد، گمراہ کن مذاہب، مشکک افکار کی گہرائی تک جانا منع ہے۔ عام انسان ان کے مطالعہ سے گمراہ ہوسکتا ہے۔

تاہم، اہلِ علم حضرات کے لیے ان علوم کو سیکھنا فرض کفایہ ہے تاکہ وہ دین کی حفاظت کے لیے، مذاہبِ باطلہ اور عقائدِ باطلہ کی تردید کے لیے اور عوام الناس کو ان کے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لیے بھرپور کردار ادا کرسکیں۔

علم نجوم، جادو، سفلی عملیات، وغیرہ کے مفاسدات سے محفوظ رہنے اور دوسروں کو بچانے کے لیے ان علوم کا حاصل کرنا جائز ہے کیونکہ جو شخص برائی کو نہیں جانتا وہ اس میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ برائی کا علم برائی سے بچنے کے لیے جائز ہے۔

علوم مستحبہ:۔ حضرت شیخ عبدالقادر عیسیٰ الشاذلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جسمانی اور قلبی فضائل، سنن و نوافل اور مکروہات اور فرائض کفایہ کو جاننا مستحبات سے ہے۔ اسی طرح علم فقہ اور اس کی فروعات، عقائد اور اس کے تفصیلی دلائل کی معرفت بھی علوم مستحبہ میں شامل ہیں۔ (22)

علوم کی مندرجہ بالا اقسام اور ان کی اہمیت و ضرورت کے پیش نظر ہر کوئی اپنی انفرادی، سماجی، عصری اور علاقائی ضروریات کے مطابق ضروری علوم حاصل کرسکتا ہے۔

عصرِ حاضر کے علوم:۔ عصر حاضر کے علوم کو چار بڑی اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1۔ **مذہبی و اسلامی علوم:** مذہبی و اسلامی علوم میں سرفہرست دین اسلام کا علم (اسلامیات) ہے۔ تصوف، روحِ اسلام ہے۔ یہ روحانی سائنس ہے۔ اسے علمِ وراثت، علمِ باطن، علمِ معرفت، اسلامی تصوف، اسلامی روحانیت کے ناموں سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

2۔ **ذہنی و روحی علوم:** ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی، ڈائنامکس، سائنٹالوجی، این ایل پی تکنیک، جادو، عملیات، مابعد النفسیات اور مابعد الطبیعات وغیرہ کا ذہنی و روحی علوم میں شمار ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر کی سائنسی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ انسان کی حقیقت اس کا مادی جسم یا اس کی حیوانی جبلتیں نہیں بلکہ اس کا شعور یا خودی ہے۔ علم الحیات اور علم الطبیعات کے ماہرین بھی اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کائنات کی حقیقت مادہ نہیں بلکہ شعور (Consciousness) یا خودی ہے۔ انسان اور کائنات کے بارے میں اس غیر مادی، روحانی تصور کی بدولت (تحقیقات کی بنا پر) کئی نئے علوم جنم لے رہے ہیں اور سابقہ علوم پر بھی از سرِ نو تحقیقات ہو رہی ہیں۔ یہ سب ذہنی و روحی علوم ہیں۔ ہمارا مذہب روح، کائنات اور خدا تعالیٰ کی حقیقت اور ان کے باہمی تعلق کے بارے میں واضح رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ علمِ تصوف وحی و الہام اور روحانی مشاہدات و تجربات پر مبنی روحانی سائنس کا علم ہے جسے یقین کا درجہ حاصل ہے۔ دیگر ذہنی و روحی علوم کو وحی و الہام کی تائید حاصل نہیں ہے اس لیے ان کی تحقیقات تدریجی مراحل سے گزر رہی ہیں۔ ان کی صرف انہی تحقیقات کو درست تسلیم کیا جاسکتا ہے جن کی قرآن و حدیث سے تصدیق ہو۔ ہر کس و ناکس کو ان علوم کے مطالعہ اور تحقیق میں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ صرف مسلمان محققین کو چاہیے کہ ان کا مطالعہ کر کے عوام الناس کو ان علوم کی خرابیوں سے اور تصوف کے محاسن سے آگاہ کر کے انہیں راہِ حق پر گامزن کریں۔

3۔ **انسانی و سماجی علوم:** انسانی و سماجی علوم میں انسان، اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں، اس کے زمانی، مکانی، نفسیاتی، سماجی، اقتصادی اور سیاسی تعلقات اور معاملات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ ہر انسان اپنی انفرادی و سماجی ضروریات کے مطابق اسلامی نقطہ نگاہ سے ان علوم سے استفادہ کرسکتا ہے۔

4۔ **مادی علوم:** مادی علوم میں مادی اشیاء کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ علوم قیاس (Hypothesis) اور تجربے (Experiment) کے تابع ہیں اور مشاہدے (Observation) اور آزمائش (Testing) کے ذریعے ان کے بارے میں حکم لگایا جاسکتا ہے اور انہیں لیبارٹری میں ٹیسٹ کیا جاسکتا ہے۔ دین اسلام ان علوم کی تعلیم اور ان میں تحقیق کی اجازت دیتا ہے۔ بلکہ اہلِ عقل اور اہلِ بصیرت کو ان علوم میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔

عصرِ حاضر میں علم کی اقسام

مذہبی و اسلامی علوم	ذہنی و روحی علوم	انسانی و سماجی علوم	مادی علوم
اسلامیات	مابعدالنفسیات	نفسیات	طبیعات (فزکس)
تصوف (روحانی سائنس)	مابعدالطبیعات	عمرانیات	کیمیا (کیمسٹری)
یہودیت	ہپناٹزم	سیاسیات	حیاتیات (بیالوجی)
عیسائیت	ٹیلی پیتھی	معاشیات	طب (میڈیسن)
بدھ مذہب	ریکی	انسانیات	فلکیات (آسٹرالوجی)
ہندومت (وغیرہ)	ڈائناٹکس (وغیرہ)	جنسیات (وغیرہ)	انجینئرنگ (وغیرہ)

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نصابِ تعلیم: ۔عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمیق تحقیقی مطالعہ کے بعد نصابِ تعلیم کا جو خاکہ نظر آتا ہے وہ دو حصوں پر مشتمل ہے۔ان میں پہلا حصہ فرضِ عین اور دوسرا حصہ فرضِ کفایہ ہے۔

''فرض عین میں جو نصاب شامل تھا یہ اس عہد میں بغیر کتاب کے اور زبانی تھا۔اس میں کم از کم قرآن پاک کی تین سورتیں زبانی یاد کرنا۔علم عقائد خاص کر اللہ، ملائکہ، سابقہ الہامی کتب وانبیاءؑ، تقدیر اور یوم آخرت پر ایمان (ایمان مفصل) ارکان اسلام نماز، روزہ، صاحب مال کے لیے زکوٰۃ کے متعلق معلوم کرنا، جو حج کی قدرت رکھتا ہو، اس کے لیے احکام اور مسائل حج کا جاننا۔اس کے ساتھ طہارت، حرام وحلال، صنعت وتجارت واُجرت، بیع واجارہ، عشر، نکاح کے احکام۔غرض شریعت نے جو کام ہر انسان کے ذمہ فرض یا واجب کیے ہیں ان احکام اور مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔اس کے علاوہ کچھ ذکر اذکار وغیرہ بھی سیکھنا مستحبات کے زمرے میں آتے ہیں۔

یہ وہ لازمی نصاب تھا جس کے بغیر مسلمان ہونے کا تصور نہیں ہوسکتا۔اس نصاب پر خالصتاً اللہ کی رضا کی خاطر عمل کرنا اور اس کو اپنے کردار میں لانا ایمان کا بنیادی تقاضا تھا اور اب بھی ہے جب کہ اس پر نمود ونمائش کی خاطر عمل کرنا ریاکاری، لوگوں کی خوف کی وجہ سے عمل کرنا منافقت اور اس میں تساہل برتنے والا گنہگار ہوگا۔''

''نصاب فرض کفایہ دو حصوں (عام اور اعلیٰ) پر مشتمل تھا۔اس میں ایک عام فرد کا نصاب تھا۔جو چالیس احادیث کے حفظ پر مبنی تھا۔ کیونکہ حضرت ابوداؤدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا گیا کہ مقدار علم کیا ہے کہ انسان اتنا علم حاصل کرلے کہ فقیہ بن جائے (اور دنیا اور آخرت میں اس کا شمار عالموں میں ہو) تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کو فائدہ پہنچانے کے لیے چالیس حدیثیں امر دین کی یاد کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو حساب کے دن فقیہ اٹھائے گا اور میں اس دن ان کا شفیع اور گواہ بنوں گا۔

اعلیٰ نصاب فرض کفایہ (دوسرا حصہ) قرآن، تفسیر، حدیث، فقہ، حفظ ترجیحی جبکہ تاریخ، وانساب، فرائض وحساب، لغت، غیر زبانیں، کتابت، ادب، علم افلاک وغیرہ اختیاری علوم پر مشتمل تھا۔اس عہد میں چالیس پچاس سے زیادہ علوم حکمت تھے، جو خاندانی علوم تھے اور پڑھانے کے بجائے سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے تھے۔ان میں آپؐ نے نجوم، رمل وغیرہ ناپسندیدہ علوم قرار دیئے تھے۔علم طب میں احتیاط اور مہارت حاصل کرنے کی ہدایت کی گئی تھی اور دیگر میں بھی خیر کے پہلو کو مقدم رکھا گیا تھا۔

یہ نصاب کتابی سے زیادہ عملی تھا اور اس کا مدعا فرد کا حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے ذہنی اور عملی طور پر آمادہ اور مستعد رہنا تھا۔ یہ نصاب اپنے اہداف کے حصول میں انتہائی کامیاب رہا۔''

''عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ نصاب کوئی جامد، محدود اور بے لچک نصاب نہ تھا بلکہ وقت کے تقاضوں اور ضروریات کے مطابق اس میں ردّو بدل ہوتا رہا۔ اس میں علم دین کی تحصیل کے علاوہ دیگر علوم کی تحصیل کی بھی اجازت تھی۔ عربی زبان اور قرآن مجید اس نصاب کا لازمی حصہ تھے۔ خلفائے راشدین کے دور میں تفسیر و حدیث، علم الانساب، اسماء الرجال، فقہ، خطاطی، عربی ادب اور جغرافیہ نصاب کا حصہ بنے۔ عباسی دور میں ریاضی، تاریخ، علوم نجوم، نظم، گرائمر، کیمیا، فن تعمیرات، سنگ تراشی، عسکری فنون، صنعتی فنون اور فن خطابت اس میں شامل ہوگئے۔ برصغیر پاک و ہند کے اسلامی مدارس میں تفسیر و حدیث کے علاوہ تصوّف، کلام، منطق، فلسفہ، علم نحو، ادب، اصول فقہ، ہیئت، ریاضی، اخلاقیات، طب، زراعت اور دوسرے فنی علوم اس میں شامل ہوگئے۔ اس نصاب میں فرد کے زندگی کے تین بڑے پہلو جسمانی، ذہنی اور روحانی کی نشو ونما و بالیدگی کو مقدم رکھا گیا تھا۔ عرصہ دراز تک یہ نصاب مسلم دنیا میں رائج رہا لیکن مسلمانوں کے زوال، مغربی اقوام کے غلبہ اور دوسری استعماری قوتوں کے سبب یہ نظام برقرار نہ رہ سکا اور ان استعماری ملکوں نے جو نظام تعلیم رائج کیا اس میں فرد کی جسمانی اور ذہنی پہلوؤں کی تربیت اور پرداخت کو تو مقدم رکھا گیا مگر روحانی پہلو کو بالکل نظر انداز کیا گیا حالانکہ یہی سب سے اہم پہلو ہے۔''

اہل اسلام کی دین سے دوری، علم و عرفان سے عدم دلچسپی، بے عملی اور تہذیب مغرب میں بے جا دلچسپی اور اس کی اندھا دھند پیروی کی وجہ سے قریباً تمام اسلامی ممالک میں یہ نصاب متروک ہوگیا۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی انگریزوں کی آمد سے یہ نصاب متروک ہوگیا۔ انگریزوں کے مسلط کردہ نصاب سے استفادہ کرنے والے مسلمان آہستہ آہستہ اسلامی زندگی سے دور ہوتے چلے گئے۔ جن خاندانوں نے تیسری اور چوتھی پشت میں جدید تعلیم حاصل کی ہے، ان میں اسلام کا صرف نام رہ گیا ہے۔ (23)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نصاب میں فرد کی کُلّی (روحانی، جسمانی، نفسیاتی، عمرانی، اخلاقی اور معاشی) ضرورتوں کو پیش نظر رکھا گیا تھا۔ اس نصاب میں تزکیۂ نفس کے لیے نفس امارہ (برائیوں پر اُکسانے والا النفس)، نفس لوامہ (غلط کام پر ملامت اور سرزنش کرنے والا النفس) اور نفس مطمئنہ (اخلاقِ سیئہ سے پاک اور اخلاقِ حسنہ سے متصف نفس) کے واضح تصورات کی تعلیم دی گئی ہے جس سے تصفیۂ قلب حاصل ہوتا ہے اور انسان، انسان کامل بن جاتا ہے۔ اسی طرح فرد اور معاشرے کے صحت مند، مضبوط رشتے کے قیام کے لیے حقوق العباد کی تعلیم دی گئی ہے۔ مکارمِ اخلاق پر بہت زور دیا گیا ہے کیونکہ نظامِ اخلاق ہی ہر فرد اور سماج کی عملی زندگی کی کامیابی اور ناکامی کا معیار ہے۔ اسی طرح فرد کی روحانی اور اخلاقی نشو ونما کے ساتھ ساتھ اس کی مادی اور معاشی ضروریات کی تکمیل کا راستہ بھی دکھایا گیا ہے۔

ہر شخص کو اپنی روزی کمانے کی ہدایت کی ہے۔ بے عملی، بے روزگاری، گداگری اور دیگر ناجائز ذرائع آمدن کو ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا ہے۔ کمانے اور خرچ کرنے کے آداب کی تعلیم دی گئی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے معاشی خوشحالی کی ضرورت و اہمیت پر زور دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ''کچھ گناہ ایسے ہیں جن کا کفارہ فکرِ معاش کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ (24)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نصابِ تعلیم اور نصابِ تصوف کا موازنہ:۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نصاب تعلیم اور نصاب تصوف کا موازنہ کریں تو کہیں بھی کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ نصابِ تصوف عین اسلامی نصابِ تعلیم ہے اور اس میں اسلام کے حقیقی تقاضوں کی تکمیل کے لیے ضروری تعلیم و تربیت کو لازم قرار دیا گیا ہے۔

پاکستان میں مروّجہ اقسامِ نصاب۔ اس وقت ہمارے ملک میں تین قسم کا نصاب مروج ہے جو ایک دوسرے سے کافی جدا اور مختلف بلکہ ایک دوسرے کے متضاد ہے جس کی وجہ سے تمام قوم ذہنی، فکری اور عملی انتشار کا شکار ہے اور تین قسم کی سوچ، فکر اور رویے جنم لے چکے ہیں۔

سکول وکالج اور یونیورسٹی کی تعلیم	مدرسہ کی تعلیم	خانقاہی تعلیم
سائنسی و مادی اور دنیاوی علوم کی تعلیم	سائنسی و مادی اور دنیوی تعلیم کا فقدان	سائنسی و مادی اور دنیوی تعلیم کا فقدان
دینی تعلیم کا فقدان	دینی تعلیم کا بھرپور اہتمام	ضروریات کی حد تک دینی تعلیم کا اہتمام
تربیت/کردار سازی مفقود	تربیت/کرداری سازی مفقود	اخلاقی تربیت اور کردار سازی

سکول وکالج اور یونیورسٹی کی تعلیم میں سائنسی و مادی اور دنیوی علوم کو اہمیت دی جاتی ہے۔ دینی تعلیم برائے نام دی جاتی ہے۔ بی اے تک مطالعۂ پاکستان اور اسلامیات بطور لازمی مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اسلامیات کا بطور اختیاری مضمون کے بھی مطالعہ کیا جا سکتا ہے مگر یہ تعلیم، فارغ التحصیل طلبہ کو اس قابل نہیں بناتی کہ وہ اسلامی اصولوں کے تحت کاروبار کر سکیں، باہمی میل جول اور لین دین کے معاملات سرانجام دے سکیں۔ یہاں تک کہ نصاب میں شامل ان کتب میں کہیں احکامِ غسل اور طہارت کے مسائل کا بھی ذکر نہیں ہے۔

مدرسہ میں قرآن وحدیث اور فقہ کی اچھے پیمانے پر تعلیم دی جاتی ہے۔ مدرسے کا فارغ التحصیل طالب علم اردو، عربی اور فارسی زبانوں میں خاطر خواہ مہارت رکھتا ہے۔ اس کا تعلیمی معیار ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی اور ایم اے فارسی کے طلبا سے کہیں بہتر ہوتا ہے۔ تاہم، مدرسہ میں انگریزی، کمپیوٹر سائنس اور دیگر سائنسی وسماجی علوم کی تعلیم نہیں دی جاتی جس وجہ سے مدرسہ سے فارغ التحصیل سٹوڈنٹ امامت وخطابت کے علاوہ کسی بھی شعبۂ زندگی میں معقول روزگار اور مقام حاصل کرنے میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرتا ہے۔ مدرسہ میں دینی تعلیم کے ساتھ تربیت اور کردار سازی کا اہتمام نہیں۔ صحیح بنیادوں پر قائم کسی خانقاہ میں ضروریات کی حد تک دینی تعلیم دی جاتی ہے اور اخلاقی تربیت اور کردار سازی کی کوشش کی جاتی ہے۔ بعض خانقاہیں ایسی ہیں جن کے ساتھ مساجد اور مدارس بھی قائم ہیں اور وہاں اعلیٰ پیمانے پر دینی تعلیم کا اہتمام بھی نظر آتا ہے۔ مشائخ میں سے بعض حضرات نے سائنسی، مادی اور دنیوی علوم کی سماجی وقومی اہمیت کے پیشِ نظر ان کی تعلیم کے لیے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ادارے بھی قائم کئے ہیں مثلاً منہاج القرآن یونیورسٹی اور محی الدین یونیورسٹی میں ان علوم کی تدریس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ تاہم، مجموعی طور پر خانقاہی نظامِ تعلیم، مدرسے کا نظامِ تعلیم اور سکول وکالج اور یونیورسٹی کی سطح پر رائج جدید نظامِ تعلیم صحیح تعلیمی تقاضے پورے نہیں کر رہے ہیں جس وجہ سے من حیث القوم ہم تنزلی کا شکار ہیں۔ انہی ملّی مسائل اور کمزوریوں کے پیشِ نظر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا۔

تمدّن، تصوف، شریعت، کلام　　بتانِ عجم کے پجاری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی　　یہ اُمّت روایات میں کھو گئی
لبھاتا ہے دل کو کلامِ خطیب　　مگر لذّتِ شوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا　　لغت کے بکھیڑوں میں اُلجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مرد　　محبت میں یکتا، حمیّت میں فرد
عجم کے خیالات میں کھو گیا　　یہ سالک مقامات میں کھو گیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے　　مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (25)

یہ بات بالکل واضح ہے کہ دین اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام پہلوؤں اور معاملات کے بارے میں مکمل رہنمائی فراہم کی گئی ہے۔ اسلام دینِ فطرت ہے۔ اسکے اصول اٹل اور ابدی ہیں۔ یہ اصول خالقِ کائنات نے تعلیم فرمائے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط......الفرقان[25:6]

کہو اس کتاب کو اس ذات پاک نے نازل کیا ہے جو زمین اور آسمان کے بھید جانتا ہے۔

یورپ مادی علوم میں ترقی کی بدولت انسان اور کائنات کے روحانی تصور سے آشنا ہوا ہے۔ وہاں ابھی روحانیت کی ابتدا ہے۔ تمام علوم میں ترقی کی انتہا سے، بالآخر قرآن حکیم میں بیان کردہ اصول ہی درست ثابت ہوں گے۔ جب ہمارے پاس کتابِ مبین ہے تو ہمیں اپنے ضابطۂ حیات کے لیے دیگر علوم اور اہلِ علوم کی اسلامی ضابطوں سے ہٹ کر پیروی کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

نظریہ حیات، نظریہ کائنات اور نظریہ تعلیم کا باہمی تعلق:۔ خدا، انسان اور کائنات کا خالق ہے۔ انسان کائناتِ اصغر ہے۔ باقی سب موجودات، کائناتِ اکبر ہیں۔ اگر ہم کائناتِ اصغر (انسان) کو پوری طرح سمجھ لیں تو گویا ہم نے کائناتِ اکبر کو پوری طرح سمجھ لیا۔ اگر ہم کائناتِ اکبر کو پوری طرح سمجھ لیں تو پھر انسان کی حقیقت بھی پوری طرح سمجھ میں آجائے گی۔ ان میں سے جب ایک کے بارے میں ہماری واقفیت بڑھے گی تو دوسرے کے متعلق بھی اسی نسبت سے بڑھے گی۔

خدا، کائناتِ اصغر (انسان) اور کائناتِ اکبر کے باہمی تعلق کا مطالعہ اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی نظریۂ کائنات کے تحت ہونا چاہیے۔ تمام انبیائے کرام اسی نظریۂ حیات اور نظریۂ کائنات کی تعلیم دینے کے لیے تشریف لائے۔ تمام آسمانی کتب میں اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی نظریۂ کائنات کی ہی تعلیم دی گئی ہے۔ ہمیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر مقصدِ حیات کی تکمیل کے لیے تمام علوم کو اسی نقطۂ نگاہ

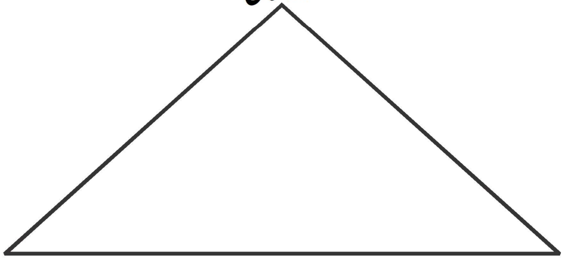

اسلامی نظریۂ حیات ونظریۂ کائنات

سے دیکھنا، پڑھنا اور پڑھانا چاہیے۔ مذہب ہماری زندگی ہے نہ کہ زندگی کا ایک حصہ۔ اسلامیات کی الگ مضمون کی حیثیت سے تعلیم دینے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ دیگر مضامین کی طرح اسلامیات بھی ایک مضمون ہے۔ اس کا تعلق صرف گناہ وثواب اور جنت وجہنم کے معاملات سے ہے۔ اس کا ہماری عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہر ایک مضمون کی اسلامی نقطۂ نگاہ سے تعلیم دی جائے گی تو ہماری نوجوان نسل اسلامی نقطۂ نگاہ سے کھوٹے کھرے میں تمیز کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ ان کی تحقیق وتنقید اور فہم وادراک کی صلاحیتیں نمو پائیں گی۔ وہ خود اچھے تصورات ونظریات اور افکار وخیالات کو برے تصورات ونظریات اور افکار وخیالات سے تمیز کر سکیں گے۔ دروغ سے موازنہ پر صداقت کا علم واضح اور صاف طور پر سامنے آجائے گا۔ اسلامیات ایک عقلی علم ہے، محض نقلی (نقل وروایات پر مبنی) علم نہیں ہے۔ موجودہ انسانی و نفسیاتی اور مادی وحیاتیاتی علوم پر نظرِ ثانی کر کے انہیں قرآن حکیم کی روشنی میں نئے سرے سے مدوّن کیا جانا چاہیے تاکہ ہمارے اساتذہ و طلبہ عصرِ حاضر کی تحقیقات، افکار اور نظریات کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے قبول یا مسترد کر سکیں اور لادینیت وگمراہی کا شکار نہ ہوں۔ ہمارے پرنٹ میڈیا (اخبارات، رسائل، جرائد) اور الیکٹرانک میڈیا (ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ، وغیرہ) پر بھی اسی نقطۂ نظر سے تعلیم وتربیت کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ ہماری نوجوان نسل غیر اسلامی افکار اور ثقافت سے متاثر نہ ہو۔ یہ عصرِ حاضر کی ضرورت اور یہ اربابِ حل وعقد کا اولین فریضہ ہے۔ مشائخ عظام اور علمائے کرام پر عائد ہونے والی یہ نہایت اہم ذمہ داری ہے۔

صحیح نصب العین حیات (مقصدِ حیات) کا تعین انسان کی فطرت کی اشد ضرورت ہے۔ انسان نصب العین حیات کے حصول کے لیے تعلیم حاصل کرتا ہے۔ یہ نصب العین اس کی تمام تر محبت، توجہ اور جدوجہد کا مرکز بن جاتا ہے۔ نصب العین حیات (مقصدِ حیات) سے نظریۂ حیات اور نظریۂ حیات سے مقصدِ حیات وجود پاتا ہے۔ انسان اسی نظریۂ حیات کے مطابق نظریۂ تعلیم وضع کرتا ہے۔ تعلیم اپنے اچھے یا برے نظریۂ زندگی کا انسان کو معتقد بنا دیتی ہے اور اعتقاد کو اس قدر پختہ کر دیتی ہے کہ وہ ایک مجنونانہ محبت یا عشق تک پہنچ جاتا ہے اور انسان

کی ساری شخصیت کو جذب کر لیتا ہے۔انسان اس نظریۂ زندگی کی خاطر ہر قسم کی قربانیوں اور مشقتوں کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔

ہر نصب العین (مقصدِ حیات) سے ایک مخصوص نظامِ تعلیم نکلتا ہے۔تعلیم کا مقصد اس نصب العینِ محبت کو کمال پر پہنچانا ہے۔اس لیے ہر نظام تعلیم اپنے مخصوص نصب العین کی تکمیل کے لیے مناسب ماحول مہیا کرتا ہے اور ایسے عوامل سے تحفظ فراہم کرتا ہے جو نصب العین کے حصول میں رکاوٹ ہوں۔

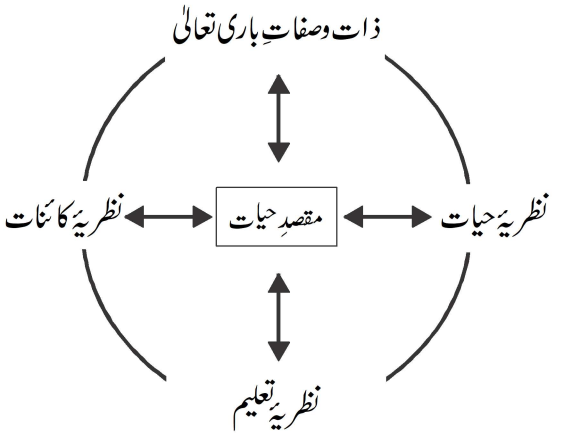

اہلِ مغرب کے نزدیک صرف روپیہ پیسہ کمانا ہی اصل نصب العینِ حیات (مقصدِ حیات) ہے۔انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے نظامِ تعلیم وضع کیا۔انہوں نے مذہب اور تعلیم کو الگ کر دیا۔انسان کے اخلاقی، روحانی اور ایمانی تقاضوں کو نظر انداز کر دیا۔اس ضمن میں پروفیسر ہیرلڈ ایچ ٹیٹس لکھتے ہیں:

"(مغرب میں) تعلیم نے اپنے آپ کو ماضی کے روحانی ورثے سے الگ کر لیا ہے مگر اس کا کوئی مناسب متبادل دینے میں ناکام رہی ہے۔ نتیجتاً پڑھے لکھے افراد بھی ایقان وایمان سے، زندگی کی اقدار کے صحیح احساس سے اور دنیا کے بارے میں کسی ناقابلِ شکست ہمہ گیر نقطہ نظر سے عاری ہیں"۔(26)

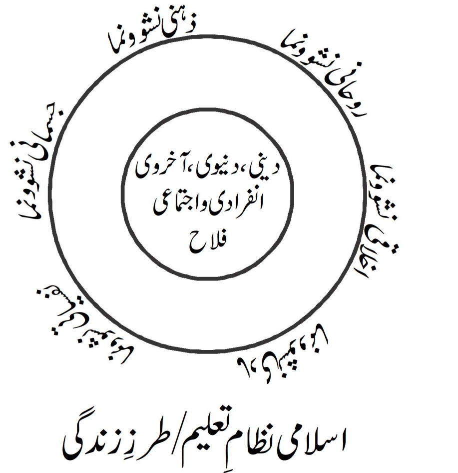

اسلامی نظامِ تعلیم/طرزِ زندگی

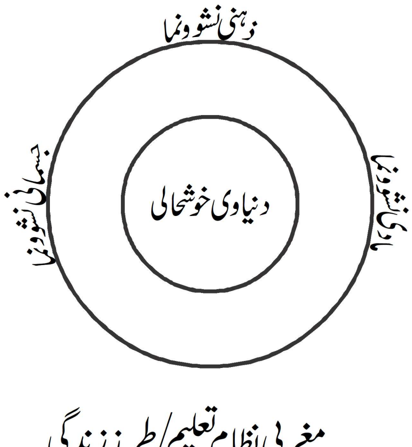

مغربی نظامِ تعلیم/طرزِ زندگی

اپنے اس نظامِ تعلیم کی بدولت مغرب نے مادی خوشحالی تو حاصل کر لی مگر اخلاقی انحطاط، جنسی بے راہ روی، لادینیت اور مادیت کا شکار ہو گیا جس کے نتیجہ میں قلبی وذہنی اطمینان بھی جاتا رہا۔اہلِ مغرب اپنی اس کج روی کی وجہ سے اخلاقی وسماجی اور روحانی لحاظ سے بالکل تباہ ہو چکے ہیں۔ان میں روز بروز خودکشی کی اور جرائم کی شرح بڑھ رہی ہے۔افسوس کہ اہلِ اسلام کی اکثریت بھی اندھا دھند مغربی نظامِ تعلیم کی پیروی کر رہی ہے۔تمام تگ ودو مادی خوشحالی کے لیے ہو رہی ہے۔مذہب ہر شخص کا پرائیویٹ معاملہ بن کر رہ گیا ہے۔مذہب اور تعلیم کا رسمی سا تعلق باقی ہے۔عملی طور پر مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مذہب سے رہنمائی حاصل نہیں کی جا رہی۔ہمارا اصل مرض نصب العین

کی محبت کا زوال ہے۔ ہماری اخلاقی کوتاہیاں اس کا ثبوت s ہیں۔ غلط اور غیر اسلامی نظام تعلیم اس کا سبب ہے۔ لہٰذا اس کا علاج صحیح اسلامی نظام تعلیم ہے۔

حاصلات	اسلامی نظامِ تعلیم/طرزِ زندگی	مغربی نظامِ تعلیم/طرزِ زندگی
دنیوی خوشحالی	✓	✓
دینی، دنیوی، آخروی فلاح	✓	×
مادی فلاح	✓	✓
روحانی فلاح	✓	×
تزکیۂ نفس	✓	×
تصفیۂ باطن	✓	×
تصفیۂ قلب	✓	×

اہل مغرب لادینیت کی وجہ سے صحیح نصب العینِ حیات (مقصدِ حیات) متعین کرنے میں ناکام رہے جس وجہ سے انسان معاشی و معاشرتی حیوان بن کر سامنے آیا۔ اس طرح ان کے نزدیک انسان، انسانیت کے دائرے سے نکل کر حیوانیت کے زمرے میں پہنچ گیا۔ انہوں نے یہ نظریہ دل و جان سے قبول کر لیا کہ انسان معاشرتی حیوان ہے اور وہ جائز و ناجائز طریقوں سے اپنے حیوانی، جبلّی تقاضے پورے کرنے پر مجبور ہے۔ ڈارون کا نظریۂ ارتقاان کی اس کج فہمی کا ایک ثبوت ہے۔ اس نظریہ کی بدولت اہلِ مغرب عظمتِ انسانی کے اعلیٰ تصور سے محروم ہو گئے اور خود کو حیوان سمجھ بیٹھے۔ تصورِ حیات تبدیل ہونے سے ان کا نظریۂ حیات، نظریۂ کائنات اور نظریۂ تعلیم تبدیل ہو گئے۔ اس سے ان کا تمام دائرہ حیات حیوانیت کی تسکین کے جذبوں کے گرد گھومنے لگا۔

اسلام عظمتِ انسانی کا قائل ہے۔ اسلامی نقطۂ نگاہ سے علم (Knowledge) وہ ہے جو کردار میں نظر آئے۔ ایسا علم جس سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب نہ ہو وہ علم نہیں بلکہ معلومات (Information) ہیں۔ ایسے افراد جو علم تو رکھتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے قرآن پاک میں ان کو گدھے سے تشبیہہ دی گئی ہے جس پر علم کا بوجھ لادا گیا ہو۔ ایسے دنیادار عالم چوپایوں سے بھی زیادہ بدتر ہیں جو احکاماتِ الٰہی کو یاد کرتے ہیں، ان کے معانی و مطالب کو سمجھتے ہیں مگر ان کا عمل اور کردار اس کے متضاد ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝ الجمعہ [62:5]

اُن لوگوں کا حال جن پر تورات (کے احکام وتعلیمات) کا بوجھ ڈالا گیا پھر انہوں نے اسے نہ اٹھایا (یعنی اس میں اِس رسول (ﷺ) کا ذکر موجود تھا مگر وہ اِن پر ایمان نہ لائے) گدھے کی مثل ہے جو پیٹھ پر بڑی بڑی کتابیں لادے ہوئے ہو، اُن لوگوں کی مثال کیا ہی بُری ہے جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا۝

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۝ الاعراف [7:179]

اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے جنوں اور انسانوں میں سے بہت سے (افراد) کو پیدا فرمایا وہ دل (ودماغ) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سمجھ نہیں سکتے اور وہ آنکھیں رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) دیکھ نہیں سکتے اور وہ کان (بھی) رکھتے ہیں (مگر) وہ ان سے (حق کو) سن نہیں سکتے، وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ (ان سے بھی) زیادہ گمراہ، وہی لوگ ہی غافل ہیں۝

علم اور عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

''فہم سے علم ہے اور علم سے عمل وجود میں آتا ہے۔ اس طرح علم وعمل باری باری سے آتے ہیں''۔ (27)

علم، عمل کی اساس (بنیاد) اور روح ہے۔ یہ عمل کا پیش رو اور عمل کی درستگی کا ضامن ہے۔ جس طرح علم، بغیر عمل کے فائدہ نہیں دیتا۔ اسی طرح عمل بغیر علم کے فائدہ نہیں دیتا۔ علم اور عمل دونوں لازم وملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ سالک، ایمان، معرفتِ الٰہی اور حصولِ رضا کے کسی مقام ومنزل میں علم وعمل سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔

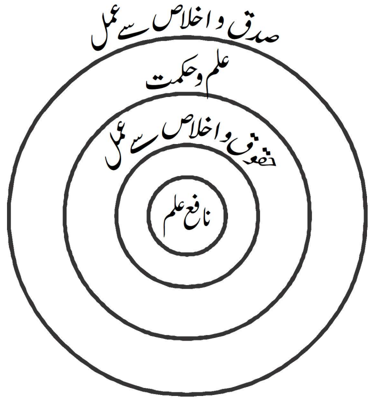

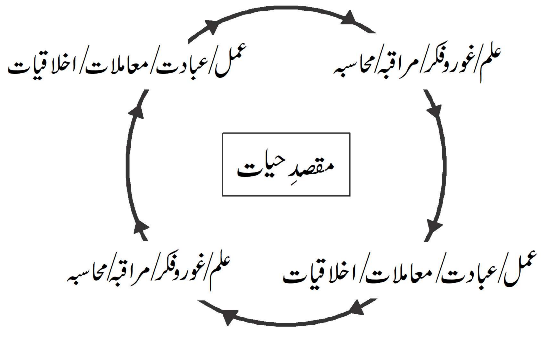

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''سب سے بڑا جاہل وہ ہے جس نے اپنے علم پر عمل کرنا چھوڑ دیا اور سب سے بڑا عالم وہ ہے جس نے اپنے علم کے مطابق عمل کیا۔ اور بہترین انسان وہ ہے جو خدا کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کرے''۔

ایسا علم جو کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو اور اس سے استفادہ نہ کیا جا سکے یا وہ کتاب وسنت کے سمجھنے میں مددگار ثابت نہ ہو یا ان کی طرف منسوب نہ ہو تو خواہ وہ علم کیسا ہی کیوں نہ ہو، رذیلت اور برائی کا مجموعہ ہے، باعثِ فضیلت نہیں بلکہ اس سے انسان دنیا اور آخرت میں ذلیل وخوار ہوگا۔ (28)

علم وعمل اور اخلاص کے باہمی تعلق کے بارے میں حضرت شیخ ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''علم وعمل کا چولی دامن کا تعلق ہے اور عمل اخلاص کے ساتھ وابستہ ہے اور اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے علم اور عمل کے ذریعے اللہ کی رضامندی کا خواہاں ہو......'' (29)

تصوف اسلام کے تمام ظاہری وباطنی پہلوؤں کی عملی تطبیق کا نام ہے۔ جب سالک تصوف کے نصاب کے مطابق ضروری علم حاصل کر کے صدق، اخلاص اور محبت سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کے لیے سچے دل سے متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ علم کے مطابق اپنا عمل درست کرتا ہے۔ عبادات سرانجام دیتا ہے۔ معاملات احسن طریقے سے سرانجام دیتا ہے۔ اخلاقِ رذیلہ سے چھٹکارا پاتا ہے اور اخلاقِ حسنہ سے متصف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید علم عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

......وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ط ...... البقرہ[2:282] اللہ سے ڈرو اللہ تمہیں علم عطا فرمائے گا۔

اس ضمن میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صوفی ہمیشہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب میں مشغول رہتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے سرِ نیاز خم رکھتا ہے۔ اسے غلبۂ نفس محسوس ہو تو وہ اپنے مالکِ حقیقی سے مدد کی درخواست کرتا ہے اور اس کی پناہ تلاش کرتا ہے۔ وہ ہمہ وقت اپنے مطلوب ومقصودِ حقیقی سے قلبی تعلق قائم رکھتا ہے۔ اس کی روح بلند مقامات قربِ الٰہی تک پہنچنے کی تگ ودو کرتی ہے مگر اس کا نفس اپنی فطرت کے مطابق عالمِ سفلی میں تہ نشین ہونا چاہتا ہے۔ اور پیچھے کی طرف لوٹتا ہے اس لیے صوفی کو (روح ونفس کی اس کشمکش میں) مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ وہ ہمیشہ اپنے مالکِ حقیقی کی پناہ ڈھونڈتا ہے اور اپنے نفس کی اچھی طرح دیکھ بھال کرتا ہے۔ (30)

اہلِ حق کو علمِ تصوف (علم معرفت، علمِ حقیقت، علمِ روحانیت، روحانی سائنس) پر صدق واخلاص اور محبت کی بدولت عمل کی وجہ سے

ہی فضیلت حاصل ہے۔حضرت شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو عالم ہو وہ معلوم یعنی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت رکھتا ہے۔اب اس سے کون افضل ہوسکتا ہے؟ اوراس کی کیا قیمت لگائی جاسکتی ہے؟ اس لیے ہر علم کی قیمت اس کا معلوم ہے اور ہر عالم کا درجہ اسکا علم ہے......حضرت ابن مسعودؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو فرمایا:

''میں سمجھتا ہوں کہ اس مردِ خدا کے انتقال سے علم کے دس حصوں میں سے نو حصے ختم ہوگئے''۔ان سے پوچھا گیا:''آپ ایسی بات کررہے ہیں حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صحابہ ابھی کثرت سے زندہ ہیں''۔فرمایا:''میری مراد وہ علم نہیں جو تم سمجھ رہے ہو،میری مراد علم باللہ سے ہے۔''(31)

سیّد شاہ گل حسن قلندری قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جمیع علوم میں سے جس علم کا معلوم باقی علوم کی معلومات پر فضیلت رکھتا ہو۔اسی قدر وہ علم اوراس کا عالم باقی اور علوم اوران کے علماء پر افضل ہوگا......سب سے افضل وبرتر ذات باری تعالیٰ عزاسمہٗ ہے تو جس علم سے اس ذات کا عرفان ہو وہ علم اوراس کا عالم باقی سب علوم وعلماء سے افضل ہوگا اور وہ علم،علمِ معرفت ذات الٰہی ہے جس کو تصوف وفقر کہتے ہیں اوراس کے عالم کو عارف وفقیر وصوفی۔پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے علم معرفت وعارف کی فضیلت بیان فرمائی ہے......''(32)

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین علم وعمل کو یکساں اہمیت دیا کرتے تھے۔وہ دس آیتیں پڑھ کر دوسری دس آیتیں اس وقت نہیں پڑھتے تھے جب تک پہلی دس آیات کا علم حاصل نہیں کرلیتے اوراس پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔حضرت عمر فاروقؓ نے دس(10) سال کی مدت میں سورہ بقرہ کو تفسیر وتاویل اور تفقہ کے ساتھ ختم کیا اوراس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اونٹ ذبح کیا اور لوگوں کی ضیافت کی۔اس طرح ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے چار(4) سال اور ایک دوسری روایت کے مطابق آٹھ(8) سال میں سورہ بقرہ پڑھی۔(33)

قرآن وحدیث میں علم اور عمل دونوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔علم اور عمل اپنی نوعیت،ضرورت اور موقع محل کے مطابق ایک دوسرے پر فضیلت رکھتے ہیں۔ان کا باہم جسم وجان کا سارشتہ ہے۔کبھی علم سے عمل فضیلت پاتا ہے تو کبھی عمل سے علم کی فضیلت کو تائید حاصل ہوتی ہے۔فضیلتِ علم کے ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ۝ فاطر [35:28]

اور انسانوں اور جانوروں اور چوپایوں میں بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں،بس اللہ کے بندوں میں سے اس سے وہی ڈرتے ہیں جو (ان حقائق کا بصیرت کے ساتھ) علم رکھنے والے ہیں،یقیناً اللہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے ۝

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الزمر [39: 9]

بھلا (یہ مشرک بہتر ہے یا) وہ (مومن) جو رات کی گھڑیوں میں سجود اور قیام کی حالت میں عبادت کرنے والا ہے،آخرت سے ڈرتا رہتا ہے اوراپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے،فرما دیجیے: کیا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو لوگ علم نہیں رکھتے (سب) برابر ہوسکتے ہیں۔بس نصیحت تو عقلمند لوگ ہی قبول کرتے ہیں ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِى الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ مجادلہ [58:11]

اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ (اپنی) مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو کشادہ ہو جایا کرو اللہ تمہیں کشادگی عطا فرمائے گا اور جب کہا

جائے کھڑے ہوجاؤ توتم کھڑے ہوجایا کرو، اللہ اُن لوگوں کے درجات بلند فرمادے گا جوتم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم سے نوازا گیا، اور اللہ اُن کاموں سے جوتم کرتے ہوخوب آگاہ ہے ○

فضیلتِ علم کے بارے میں ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو انسان حصول علم کے لیے کسی راستہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے راستہ کو آسان فرمادیتا ہے۔ ملائکہ اس کے عمل سے خوش ہوکر اپنے پر بچھا لیتے ہیں۔ زمین وآسمان کی مخلوق عالم کے لیے استغفار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ پانی کی مچھلیاں۔ عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح چاند کو ستاروں پر۔ بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء درہم ودینار کا وارث نہیں بناتے، بلکہ علم کا وارث بناتے ہیں۔ پس جس نے علم حاصل کیا۔ اس نے وافر حصہ پایا۔ (34)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اے ابوذر! تیرا ایک آیت کو سیکھنا سو رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور تیرا علم کے ایک باب کو سیکھنا ہزار رکعتیں پڑھنے سے بہتر ہے۔ خواہ اس پر عمل ہو یا نہ ہو''۔ (35)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلَاثَةٌ: اَلْاَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ، ثُمَّ الشُّهَدَاءُ

''قیامت کے دن تین طرح کے لوگ شفاعت کریں گے: پہلے انبیاء، پھر علماء، پھر شہداء۔'' (36)

مختلف روایات سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْراً يُفَقِّهُهُ فِي الدِّيْنِ، وَاَلْهَمَ رُشْدَهٗ

''جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔ اور رشد وہدایت کا الہام کرتا ہے۔'' (37)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے:

''عالم بن جاؤ یا متعلم۔ یا علم کا سامع یا اس سے محبت رکھنے والا۔ ان چار کے علاوہ پانچواں شخص نہ بننا ورنہ ہلاک ہوجاؤ گے۔''

حضرت عطار حمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا کہ تو نے ہمارے لیے پانچویں شخص کی وضاحت کی ہے جس کا مجھے علم نہیں تھا۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ ''علم اور صاحب علم کے ساتھ بغض رکھے''۔ (38)

شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکی، قوت القلوب (جلد اول) کے صفحہ نمبر 524 پر فرماتے ہیں کہ جہاں علم کی عمل پر فضیلت اور برتری بیان کی گئی ہے وہاں اس سے مراد وہ اساسی اور بنیادی علم (خصوصاً علم باللہ تعالیٰ/علم باطن/علم تصوف) ہے جو کہ عمل سے بہتر ہیں۔ اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ:

> ''.....علم باللہ دراصل ایمان کا ایک وصف ہے اور یہ یقین کا ایک مفہوم ہے کہ اس سے زیادہ قیمتی چیز آسمان سے نازل نہیں ہوئی۔ اس کے برابر کچھ چیز نہیں اور اس کے بغیر نہ کوئی عمل قبول ہوتا ہے اور نہ ہی صحیح ہوتا ہے اور یہ تمام اعمال کا معیار ہے۔ اسی مقدار پر تمام اعمال قبولیت میں ایک دوسرے سے زیادہ کم درجہ حاصل کرتے ہیں اور اس کی مقدار پر ترازو میں انہیں دوسروں سے بڑھ کر وزن ملتا ہے اور اسکی وجہ سے عاملین کو علیین میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں بڑھ بڑھ کر درجات حاصل ہوں گے۔''
>
> ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے عام معلومات کا علم غیر حقیقی علم قرار دے دیا اور علم باللہ تعالیٰ کو دس میں سے نو حصہ فرمایا علم ظاہر، اعمال پر کوئی زیادہ نہیں بڑھتا، اس لیے کہ یہ اعمالِ ظاہرہ میں سے ہے کیونکہ یہ صفتِ لسانی ہے اور یہ عام مسلمانوں کے لیے ہے۔ چنانچہ اس کا اعلیٰ مقام اخلاص ہے۔ اگر اخلاص نہ رہے تو یہ (علم نہیں بلکہ) دُنیا ہے جیسے کہ تمام دوسری شہوات (وخواہشات امورِ دنیا میں سے ہیں)۔
>
> اور علمِ باطن کے باعث اخلاص تو عالم باللہ کا پہلا حال ومقام ہے اور عارفین کے مقامات اور صدیقین کے درجات کی بلندیوں کی کوئی انتہا نہیں۔'' (39)

علم وعمل اور اخلاص کو مقاصد اور درجات کے لحاظ سے ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس تفاوت کا یوں ذکر فرمایا ہے:

......وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ......المجادلہ[58:11] جن لوگوں کو علم دیا گیا ان کے کئی درجے ہیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ......الانعام[6:132] الاحقاف [46:19]

ہر ایک کے ان کے اعمال کے اعتبار سے درجے ہیں۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ......الاسراء[17:21]

دیکھو تو ہم نے انہیں ایک دوسرے پر کیسے فضیلت دے رکھی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''سب لوگ ایک جیسے ہیں جس طرح کنگھی کے دندانے۔ کسی کو دوسرے پر فضیلت نہیں اگر ہے تو علم اور تقویٰ کی وجہ سے''۔ (40)

ہر دور میں (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اولیائے امت، علمائے حق) صوفیہ عظام نے علم وعمل کو بھرپور اہمیت دی۔ کوئی دور تھا کہ قریباً ہر محدث، فقیہہ، عالم، مسلم سائنسدان، انجینئر صوفی باعمل ہوتا تھا۔ عشقِ الٰہی، عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صوفیانہ صدق وصفا اور اخلاص فی العمل کی وجہ سے سب نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

تاریخ عالم اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں نے ابتدائی دور سے لے کر 900 ہجری تک ہر شعبۂ زندگی میں شاندار خدمات اور کارنامے سرانجام دیئے۔ تاریخ عالم کے ایک سو سے زائد چوٹی کے سائنسدانوں کا تعلق مسلمانوں سے تھا جبکہ دیگر اقوام میں معمولی سائنسدان نہ ہونے کے برابر تھے۔ حسن عبدالحکیم (چارلس لی گائی ایٹن) اسلام کے عروج وزوال کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات (جو عیسوی تقویم کے مطابق 632 میں ہوئی) کے بعد تقریباً ایک صدی کے اندر اندر مسلمانوں کی سلطنت چین کی سرحدوں سے لے کر بحر اوقیانوس تک، فرانس کی سرحدوں سے لے کر ہندوستان کی بیرونی حدود تک اور بحر کیسپیئن سے لے کر صحرا تک پھیل گئی تھی۔ یہ حیرت انگیز توسیع اِن لوگوں کے ہاتھوں عمل میں آئی جنہیں جزیرہ نمائے عرب سے باہر کی عظیم دنیا میں جاہل خانہ بدوش کہہ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ انہی بادیہ نشینوں نے تقریباً پینتالیس لاکھ مربع میل کا علاقہ تسخیر کیا اور شرق قریب، شمالی افریقہ اور اسپین میں عیسائیت کے مراکز کو سرنگوں کر لیا اور صرف یہی نہیں بلکہ بازنطین کی رُومی سلطنت کو اپنے تحفظ اور بقا کی جنگ لڑنے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے مملکتِ ایران کو اسلام کے ایک مضبوط قلعے میں تبدیل کر دیا۔ انسانی تاریخ میں اس طرح کی فتح ونصرت کی دوسری مثال موجود نہیں۔ جس سُرعت اور تیزی سے ساتویں اور آٹھویں صدی کی دنیا میں اہلِ اسلام نے خروج کیا وہ اپنی جگہ ایک انتہائی حیرت انگیز بات تھی مگر اس سے کہیں زیادہ حیران کُن یہ اَمر تھا کہ اس تمام حرب وضرب کے باوجود ہمیں کہیں خون کے دریا بہتے نظر آئے نہ کھیت وکھلیان لاشوں سے اَٹے دکھائی دیئے۔ اگر عرب سپاہ اگلے شہنشاہوں کے لشکروں سے مختلف نہ ہوتی تو یقیناً یہ مظاہر دیکھنے میں آتے۔ مگر یہ تو ایسے لوگ تھے جن میں خوفِ خُدا، حد کو پہنچا ہوا تھا۔ اس انداز کی سلامت روی کا ہمارے اپنے زمانے میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ایسے لشکری تھے جو ہر وقت خشیتِ الٰہی سے سہمے رہتے۔ وہ پیڑوں، درختوں، وادیٔ وکوہسار؛ حتیٰ کہ اجنبی دیسوں میں اُس مالک الملک کو اپنا نگراں پاتے اور سمجھتے کہ اس سے وہ کہیں چھپ نہیں سکتے۔ اُن کے فاتحانہ قدم وسیع وعریض دُنیا کو روندتے پھرتے تھے مگر اُن میں غرور اور تند خوئی نام کو نہ تھی۔ وہ اپنے رب کے حکم کے مطابق سلامت روی اور نرمی سے زمین پر خراماں تھے۔ دنیا میں کبھی کسی نے اس نوع کی فتوحات کا مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ فرانس کی سرزمین پر ناکام یلغار کے صدیوں بعد تک مغربی یورپ کے سر سے اسلامی تسلّط کا خطرہ ٹلا نہیں۔ اسلام پوری دنیا پر ایک غالب تہذیب کی حیثیت سے اُبھرا تھا جبکہ عیسائیت یورپی وایشیائی علاقے کے حصار میں محبوس تھی اور اس نے خود کو کبھی محفوظ نہیں سمجھا۔ اسے تحفظ جب ہی میسر آیا جب مسلمان خود ہی اپنے سب سے بڑے دشمن بن کر ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو گئے۔ حملہ آور ارض فلسطین پر اُمنڈ کر آئے مگر کچھ ہی عرصے میں مار بھگائے گئے۔ پھر تیرھویں صدی میں منگول غول بیابانی کی طرح دنیائے عرب کو تاخت وتاراج کرنے میں مصروف ہوئے لیکن کچھ ہی عرصے میں وہ مشرّف بہ اسلام ہو کر اِس دین کے پاسبان بن گئے جسے وہ روندنے آئے تھے، عین اسی طرح جیسے ترک اسلام کے محافظ بن گئے تھے۔

1453ء میں قسطنطنیہ کی تسخیر ہوئی اور پھر بہت جلد ترکوں نے حصارِ یورپ کو زبردست چیلنج سمجھ کر قبول کر لیا۔ بلغراد 1521ء میں مفتوح ہوا اور دوسرے ہی سال جزیرہ رہوڈز ترکوں کے زیرِنگیں آ گیا۔ 1530ء میں ترک سُلطان سلیمان عالیشان نے ہنگری پر خروج کیا اور موہاچ (Mohacs) کے مقام پر ہنگری کی فوج کو زبردست شکست دی۔ 1530ء میں فرانس کے بادشاہ فرانسس اوّل نے ہیپسبرگ (Hapsburg) خاندان کے بادشاہوں کے خلاف سلیمان عالی شان سے امداد طلب کی اور اٹلی پر خروج کے ترک منصوبے کی حوصلہ افزائی کی۔ اس کے چند ہی سال بعد پروٹسٹنٹ عقائد رکھنے والے یورپ کے بادشاہوں نے پاپائے اعظم اور شہنشاہ رُوم کے خلاف مسلمانوں سے ساز باز کی اور سلطان سلیمان نے جرمنی میں داخل ہونے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ترکوں کی جانب سے یورپ کے لیے یہ دھمکی کسی طرح کارگر نہ ہوسکی، کیونکہ اس وقت تک یورپ نے اسلامی دنیا کو اپنی طاقت کے حصار میں لے لیا تھا۔ اس کی بنیادی وجہ جہاز سازی اور آتشیں اسلحہ میں اس کی شاندار ترقی تھی لیکن اس کے اس چیلنج میں بھی نو طویل صدیوں کا وہ ہراس وخوف شامل تھا جو اسلام سے لاحق رہا۔ یہ ڈر اور یہ خطرہ یورپ کے شعور پر ایک چھاپ بن کر ثبت ہو گیا تھا۔

1683ء میں عثمانی ترکوں نے آخری بار وی آنا کا محاصرہ کر لیا۔ اس وقت تک اُن کی قوت میں اضحلال واقع ہو چکا تھا جس کا عکس معاہدۂ کارلوچ (Carlowitz) میں، جس پر 1699ء میں دستخط ہوئے، دیکھا جا سکتا تھا اور چند برسوں سے عالمِ اسلام (اگر اب کہنا درست ہو) ہمیشہ اپنی مدافعت اور تحفظ پر کمر بستہ رہا اور اَب اس کا دفاعی حصار بھی ٹوٹ رہا تھا۔" (41)

مذکورہ بالا حقائق اور تمام تاریخِ اسلام کے بغور مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے ایمان وایقان، علم وعرفان میں بھرپور دلچسپی، جہدِ مسلسل وعملِ پیہم اور باہمی اتحاد و یگانگت کی بدولت ہر شعبۂ زندگی میں بھرپور کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور شاندار کامیابیاں حاصل کی۔ دین اسلام سے دوری، علم وعرفان سے عدم دلچسپی، بے عملی اور باہمی نفاق وعدم اتفاق کی وجہ سے وہ انحطاط کا شکار ہو گئے۔ گزشتہ چار پانچ صدیوں میں عبدالقدیر خان کے نام کے سوا کوئی اہم مسلمان سائنسدان مسلم دنیا میں نظر نہیں آتا جس کے تجربات سے عالم اسلام مستفید ہوا ہو۔ اس زوال سے چھٹکارا پانے کے لیے ہمیں اپنے پیارے دین اسلام کے حقیقی تقاضے سمجھ کر ان کے مطابق اپنی کردار سازی کرنا ہوگی تاکہ ہم اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو پا سکیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا   لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (42)

تبدیلی واصلاح کا عمل انفرادی سطح سے شروع ہوگا۔ افراد کی اصلاح سے معاشرہ کی اصلاح ہوگی۔ اس طرح ہم من حیث القوم عظمتِ رفتہ کو پھر سے حاصل کر لیں گے۔ اس ضمن میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ عوارف المعارف میں فرماتے ہیں کہ صوفی کو تمام کاموں کے دوران اپنے احوالِ قلبی پر نگاہ رکھنی چاہیے اور توازن واعتدال کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔ حصولِ علم کے سلسلہ میں مطالعۂ کتب کے لیے اگر پہلے سے استخارہ کر لیا جائے تو اچھا ہے کیونکہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ از راہِ عنایت اس پر فہم وتفہیم کا دروازہ کھول دے گا، اسکے باطنی حواس (روحانی سمع وبصر اور تعقل وفہم) کام کرنے لگیں گے۔ اس طرح باطنی اسرار منکشف ہوں گے۔ علم کے ساتھ حکمت بھی عطا ہوگی۔ اسی فہم وفراست کی فضیلت کی طرف قرآن حکیم کی اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے:

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ الانبیاء [21:79]

ہم نے اس کے بارے میں (حضرت) سلیمانؑ کو سمجھا دیا اور ہم نے ہر ایک کو حکمت اور علم دیا۔

حکمت علم ہی کا اعلیٰ روحانی تصور ہے۔ انسان کی فضیلت علم سے ہے اور علم کی فضیلت حکمت سے وابستہ ہے۔ حکمت کے لغوی معنی راز اور بھید کے ہیں۔ اس سے مراد وہ نورِ بصیرت اور دانائی ہے جس سے رازِ انسانی اور سرِّ سبحانی عیاں ہوتا ہے۔ تفسیر حسینی، جواہر التفسیر، تفسیر بحر الحقائق اور فصوص الحکم میں بیان ہوا ہے کہ حکمت سے مراد ذات وصفاتِ باری تعالیٰ کا علم اور معرفت الٰہی ہے۔ دین اسلام میں حکمت کو خیر کثیر قرار دیا گیا ہے اور علم وحکمت کے تعلیم وتعلم کے لیے تزکیۂ نفس اور تزکیۂ قلب کو لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کے بعد ہی علم وحکمت کی لامتناہی قوت اور خیر کثیر سے بھرپور مادی ونفسی فوائد حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر علم الکتاب کے بعد حکمت اور کئی مقامات پر تزکیہ اور تعلیم وتربیت کے بعد اور تنہا اس کا نام لیا گیا

ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ میں ارشاد ہوا ہے:

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًاo النساء [4:54]

تو بے شبہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی اور بڑی سلطنت بخشی۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی نسبت فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ ......اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت دی تھی۔ لقمان [31:12]

اس کے علاوہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں سورہ بقرہ آیت 251، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سورہ الزخرف آیت 63 اور المائدہ آیت 110، جب کہ جملہ انبیاء کرامؑ کے بارے میں سورہ آل عمران میں فرمایا گیا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ...... آل عمران [3:81]

اور جب اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے وعدہ لیا کہ جو میں تم کو کوئی کتاب اور کوئی حکمت دوں۔

سورہ البقرہ میں اسے خیر کثیر کہا گیا ہے۔

......وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ...... البقرہ [2:269]

جس کو حکمت دی گئی اسے خیر کثیر عطا کی گئی۔

قرآن کے بعد احادیث مبارکہ میں بھی ''حکمت'' کا متعدد جگہ پر ذکر کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے ''کیا ہی خوش عطیہ ہے اور کیا ہی خوب سوغات حکمت کا بول ہے جسے تم نے سنا اور یاد کر لیا پھر اپنے مسلمان بھائی سے ملے اور اسے بھی سکھا دیا۔ ایسا ایک عمل سال بھر کی عبادت کے برابر ہے۔(43)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''حکمت، عزت دار آدمی کو زیادہ عزت بخشتی ہے اور غلام کو بلند کرتے کرتے بادشاہوں کے تخت پر بٹھا دیتی ہے۔(44)

ایک اور مقام پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے۔ میرے بھائی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا۔ لوگو! نا اہلوں کو حکمت نہ دو کہ یہ حکمت پر ظلم ہے اور اہلوں سے حکمت کو باز نہ رکھو کہ یہ ان پر ظلم ہے۔(45)

جامع ترمذی میں روایت ہے کہ ''حکمت مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں بھی ملے وہ اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔(46)

سورہ جمعہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo جمعہ [62:2]

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک (باعظمت) رسول (ﷺ) کو بھیجا وہ اُن پر اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں۔ اور اُن (کے ظاہر و باطن) کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں بے شک وہ لوگ اِن (کے تشریف لانے) سے پہلے کھلی گمراہی میں تھےo

نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور تمام انبیاء و رُسل سورہ جمعہ میں بیان کئے گئے چاروں بنیادی کاموں، تلاوتِ کتاب، تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب، کتاب کی تعلیم اور دانائی و حکمت کی تعلیم دینے کے لیے ہی تشریف لائے۔

تلاوتِ کتاب سے مراد غور و فکر کے ساتھ قرآن حکیم کا مطالعہ کرنا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیمات پر تدبر و تفکر اور صدق و اخلاص اور محبت سے اپنے روحانی مربی اور سرپرست کی نگرانی و رہنمائی میں ان تعلیمات پر عمل کرنے سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہوتا ہے۔ اس تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب کے بعد جب ذات و صفاتِ باری تعالیٰ میں غور و فکر کیا جائے تو علم لدنی حاصل ہوتا ہے جسے دانائی و حکمت بھی کہتے ہیں۔ اس

دانائی وحکمت کی بدولت ذات باری تعالیٰ کا قرب حاصل ہو جاتا ہے۔ بندہ، خاص بندۂ خدا بن جاتا ہے۔تمام صوفیہ عظام اسی مقصد کے لیے تعلیم وتربیت حاصل کرتے ہیں اور سالکین کو بھی اسی مقصد سے اور انبیاء کے اسی طریقے کے مطابق تعلیم دیتے ہیں۔اسی لیے اصطلاحی لحاظ سے تصوف کو حکمتِ عملی اور حکمتِ نظری قرار دیا جاتا ہے۔

حکمت

↓

حکمت الٰہی (حکمتِ کلیمی)　حکمتِ انسانی (حکمتِ افلاطونی)　حکمتِ ابلیسی (حکمتِ فرعونی)

حکمت الٰہی ↓ علم ماہیت ومعرفت اشیاء

حکمتِ انسانی ↓ موجودات کی معرفت اور خیر کا شعور

حکمت عملی　حکمت نظری

تہذیب الاخلاق (تصوف)　علم اعلیٰ (تصوف)

تدبیر منزل　علم اوسط (ریاضی،شماریات،وغیرہ)

سیاست مدن　علم ادنیٰ (طبعی علوم)

موجودات چاہے وہ خارج میں ہوں یا باطن میں، زمانی ہوں یا مکانی، ان سب کی حقیقت اللہ ہی ہے اور یہ بات قرآنِ حکیم کی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشہور خطبۂ الہ آباد میں اس حقیقت کا اظہار اس طرح سے کیا تھا کہ

''مذہبِ اسلام کی رو سے خدا اور کائنات، کلیسا اور ریاست اور روح اور مادہ ایک ہی کل کے مختلف اجزا ہیں۔''(47)

انسان کی حقیقت اس کا مادی جسم یا اس کی حیوانی جبلتیں نہیں بلکہ اس کا شعور، اس کی خودی یا باطنی روحانی شخصیت ہے۔ جسے ہم انسان کہتے ہیں۔وہ یہی باطنی روحانی شخصیت (انسان کی خودی) ہے۔اس سے مراد ہڈیوں، پٹھوں اور گوشت پوست کا وہ ڈھانچا نہیں جو اس کا خادم ہے۔

اے　برادر　تو　ہمیں　اندیشۂ　ما　بقی　تو　پوستی　و　ریشۂ

اس ضمن میں مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قالب　از　ماہست　نَے　ما　ازو

ڈاکٹر محمد رفیع الدین (پی ایچ ڈی) فرماتے ہیں:

''......انسان کی اعلیٰ ترین سرگرمیاں جو اس کی خصوصیت ہیں مثلاً ضمیر، عقل وفکر، محبت، تصورات ونظریات، مذہب، فلسفہ، اخلاق، سیاست، علم اور ہنر انسان کی خودی کی سرگرمیاں ہیں اور انسان کی جسمانی یا حیوانی جبلتیں خودی کی خدمت گزار اور حاشیہ بردار ہیں۔ چونکہ انسان کی تعلیم اور تربیت سے مراد اس کی خودی کی تعلیم وتربیت ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تعلیم اور تربیت کی تمام صورتیں اس غرض وغایت کے تحت ہوں......''(48)

جدید سائنسی علوم (علم الحیات، علم الطبیعات، علم نفسیات، مابعد النفسیات اور مابعد الطبیعات، وغیرہ) میں ہونے والی حالیہ پیش رفتوں کی وجہ سے مغربی مفکرین بھی حقیقتِ انسان اور حقیقت کائنات کے اسلامی نظریہ سے متفق ہو گئے ہیں اور وہ حقیقی قلبی اطمینان اور سکون کے حصول کی خاطر روحانیت کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کی نشوونما، تندرستی اور بقا کے لیے کچھ فطرتی تقاضے اور ان کی تسکین کے ذرائع متعین فرمائے

ہیں۔ انسان اپنی بقا اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق صحت اور قوت بخش غذائیں استعمال کرتا ہے۔ مضرِ صحت اشیاء سے گریز کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں صحت وتندرستی اور بقا پاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے خودی کی صحت وتندرستی اور نشو ونما کے لیے فطرتِ انسانی کو کچھ تقاضے عطا فرمائے ہیں اور ان فطرتی تقاضوں کی تسکین کے لیے اصول وضوابط مقرر فرمائے ہیں جن کی پابندی سے نفسیاتی (psychological)، ذہنی (mental) اور قلبی وروحانی (spiritual) صحت عطا ہوتی ہے۔

جس طرح بیماری جسم کی صحت کو خراب اور برباد کر دیتی ہے، اسی طرح نفسی خرابیاں اور اخلاقی بیماریاں خودی کے اطمینان کو برباد کر دیتی ہیں۔ جب جسم طاقتور ہوتا ہے تو بیماری پر فتح پاتا ہے اور بیماری اس میں جڑ نہیں پکڑ سکتی۔ اسی طرح جب خودی طاقتور ہوتی ہے تو وہ بدی پر فتح پاتی ہے اور بدی اس میں جڑ نہیں پکڑ سکتی۔

جس طرح جسمانی صحت کے لیے متوازن اور معتدل غذا، صحت بخش ماحول، ذہنی سکون اور معقول حد تک ورزش وریاضت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح روحانی صحت کے لیے، خودی کی نشو ونما کے لیے تمام اوصافِ حُسن (attributes of beauty) سے متصف ایک مکمل تصورِ حسن کی ضرورت ہے جس کی محبت سے اسے اطمینانِ قلب حاصل ہو۔

باطنی روحانی شخصیت (خودی) کی صحت اور قوت کے لیے اوصافِ حسن کی حیثیت وہی ہے جو جسم کی صحت اور طاقت کے لیے متوازن اور معتدل غذا کی ہے۔ جس طرح غذائی ضروریات پوری نہ ہونے پر جسم مر جاتا ہے اسی طرح روح کے تقاضے پورے نہ ہونے پر اور ضروری اوصافِ حسن کے بغیر خودی مایوس اور پژمردہ ہو جاتی ہے۔

جس طرح ہر غذا جسم کی صحت اور قوت کی ضامن نہیں ہو سکتی، اسی طرح ہر تصورِ حسن خودی کی صحت اور طاقت کا ضامن نہیں ہو سکتا بلکہ وہی تصورِ حسن خودی کی نشو ونما کا باعث ہو سکتا ہے جو انسانی خودی کے تقاضائے حسن بدرجہ کمال پورے کر سکے۔ یہ مکمل تصورِ حسن اس کائناتی خودی کا تصور ہے جو اس کی تخلیق کا سرچشمہ ہے اور جسے ہم ''اللہ'' کہتے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی جسم کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ہوا، پانی، روشنی اور دیگر وسائل فراہم فرمائے اسی طرح تمام روحانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے، مکمل تصورِ حسن کی تعلیم کے لیے سلسلہ نبوت قائم فرمایا جس کی مکمل صورت خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ہے جن پر قرآن حکیم نازل ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے خودیٔ کائنات یا کائنات کا مکمل تصورِ حسن پیش کیا ہے جو انسانی خودی کی تمام فطرتی ونفسیاتی ضروریات کو بدرجۂ کمال پورا کر سکتا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۔الروم [30:30]

دینِ اسلام انسان کی وہی فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۔طٰہٰ [20:8] الحشر [59:24] تمام اوصافِ حسن کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

جسمانی صحت وتندرستی اور قوت اس بات کا ثبوت ہے کہ جسم کے غذائی تقاضے اچھے طریقے سے تکمیل پا گئے ہیں۔ اسی طرح حسنِ مکمل کی محبت کو پانے اور اس کے تقاضے پورے کرنے سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے جو کسی اور تصور سے ممکن نہیں۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔الرعد [13:28]

یاد رکھو کہ اللہ (محبوبِ حقیقی) کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

کامیاب ترین، اعلیٰ ترین، تعلیم یافتہ اور تربیت یافتہ انسان وہی ہے جو ذاتِ باری تعالیٰ (جو کہ مکمل تصورِ حسن ومحبت ہے) کو اپنا مقصدِ حیات اور مقصدِ تعلیم بنائے، اسے درجۂ کمال تک پہنچائے، ذاتِ حق کی محبت کا عملی مظاہرہ کرے اور اس تصور کی محبت اور اس کے اوصاف کی محبت بحیثیت استاد کے طالب علموں کے دل میں بھی پیدا کرے اور ان کی عملی زندگی بھی اس محبت کا ثبوت بنا دے۔

اللہ تعالیٰ حسین ہے اور حُسن سے پیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر شے میں حُسن پیدا فرمایا ہے اور ساتھ ہی ہر شے کو حُسن سے محبت کا جذبہ عطا فرمایا ہے۔ ہر انسان اس فطرتی تقاضے کی وجہ سے چاہے اور چاہے جانے کی خواہش رکھتا ہے۔ اکثر انسان اپنی لاعلمی کی وجہ

سے مکمل تصورِ حسن اور پیکرِ محبت تک جو، اُن کے لیے صحیح اور مکمل غذا کا حکم رکھتا ہے، رسائی نہیں پاتے۔ انہیں جہاں کہیں حسن کی جھلک نظر آتی ہے اسے مکمل تصورِ حسن تسلیم کر لیتے ہیں اور شعوری یا غیر شعوری طور پر لیکن ہر حالت میں غلط طور پر اس سے تمام صفاتِ حُسن منسوب کر دیتے ہیں۔ انسان کسی غلط تصور سے بھی اس وقت تک محبت نہیں کر سکتا جب تک وہ اس کی طرف ان تمام صفاتِ حسن کو منسوب نہ کر دے جو صرف مکمل تصورِ حسن میں موجود ہیں اور جن کی تمنا (خواہش، طلب) اس کی فطرت کے اندر ودیعت کی گئی ہے۔ ایسا کرنے کے بعد وہ اپنے غلط اور غیر مکمل تصورِ حسن سے بھی اس طرح محبت کرتا ہے گویا وہ سچ مچ اور صحیح اور مکمل تصورِ حسن ہے۔ اس ضمن میں مرشدِ من، حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ’’......عوام اہلِ تقلید لوگ اس مشرب میں بڑی بھاری لغزش کھاتے ہیں اور کائنات کی ہر شے (یا کسی ایک شے) کو ذاتِ واجب الوجود کا مظہر خیال کر کے (اس نامکمل تصورِ حسن سے محبت کرنے) اُس کے پوجنے اور پرستش کرنے کا جواز نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ حُسن پرستی، بُت پرستی، پیر پرستی، قبور پرستی، سورج پرستی، آتش پرستی، اوتار پرستی، بادشاہ پرستی، غرض تمام غیر پرستی کے (غلط) جواز یہاں سے نکلتے ہیں......‘‘(49)

محبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی تعریف کی جائے۔ اس کے سامنے عجز وانکسار کا اظہار کیا جائے۔ اس کا ادب واحترام کیا جائے۔ اس کے لیے ہر ممکن قربانی دی جائے۔ اس کے حصول کی خاطر ہر ممکن کوشش کی جائے۔ یہ محبت انسان کے تمام جذبات واحساسات اور اعمال و افعال کا محور ومرکز بن جاتی ہے۔ انسان اپنے محبوب کے حصول کے لیے، اس کے قرب ورضا کے حصول کے لیے اس کے پسندیدہ اعمال اور امور اختیار کر لیتا ہے اور اسکے ناپسندیدہ اعمال اور امور ترک کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان اپنے تصورِ حسن، نصب العین اور مقصدِ حیات سے ایک قانونِ اخلاق یا ضابطۂ عمل اخذ کرتا ہے۔ اگر نصب العینِ حیات (مقصدِ حیات، مطلوب ومقصودِ حیات) صحیح ہو تو یہ قانونِ اخلاق یا ضابطۂ اوامر ونواہی بھی صحیح ہوتا ہے، ورنہ غلط ہوتا ہے۔

ایک تصورِ حسن یا نصب العینِ حیات رکھنے والے افراد مشترکہ محبت اور باہمی مفادات سے مجبور ہو کر ایک گروہ یا جماعت تشکیل دیتے ہیں۔ وحدت اور تنظیم کی بدولت یہ جماعت ایک طاقتور تنظیم، تحریک اور ریاست کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس گروہ، تنظیم یا ریاست کی تمام سیاسی، فوجی، اقتصادی، قانونی، تعلیمی، سماجی اور علمی سرگرمیاں ان کے نصب العینِ حیات کے مطابق درست یا غلط ہوتی ہیں۔ اگر نصب العینِ حیات (مقصدِ حیات، تصورِ حسن) درست ہو تو یہ سرگرمیاں بھی درست ہوتی ہیں، ورنہ غلط ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ نسل در نسل، صدیوں تک جاری رہتا ہے۔ اشتراکیت، جمہوریت، انگریزی قومیت، ہندی قومیت، امریکی قومیت، سب کے سب غلط نصب العین ہیں۔ جب کسی فرد، جماعت، گروہ، تنظیم یا ریاست کو اپنے نصب العینِ حیات کی کمزوری، خامی یا نقص کا علم ہوتا ہے تو وہ اپنے تقاضائے حسن کو مطمئن کرنے کے لیے ایک اور تصور اختیار کر لیتا ہے۔ اس طرح سے ہر غلط تصور آخر کار ناتسلی بخش اور ناپائیدار ثابت ہوتا ہے۔

ہر انسان اللہ تعالیٰ سے، اس کی صفاتِ حسن سے فطری محبت رکھتا ہے۔ ان صفات کے لیے وہ فطرتی طور پر کشش محسوس کرتا ہے خواہ اس کا تصورِ حسن صحیح ہو یا غلط اور وہ مومن ہو یا کافر۔ محبتِ صفات کی وجہ سے انسان علم کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے۔ علم کی تلاش دراصل سچائی، صداقت یا حق کی جستجو ہے۔ حسنِ ازلی سے محبت کے نتیجہ میں ہنر یا فن (art) جنم لیتا ہے۔ جب ہم کسی ظاہری واسطہ کے ذریعے سے حسن کا اظہار کرتے ہیں تو اسے شعر کہتے ہیں۔ جب سنگ وخشت میں حسن کا اظہار کرتے ہیں تو اسے بت سازی اور تعمیر کا نام دیا جاتا ہے۔ اسی طرح مصوری، نقاشی، خطاطی، موسیقی، رقص اور دیگر فنون اور شہ پارے تخلیق ہوتے ہیں۔

فنونِ لطیفہ کی دو اقسام ہیں۔ ایک عینی، یعنی آنکھ سے متعلقہ اور دوسرے ’سماعی‘ یعنی ’کان‘ سے متعلقہ۔ فنِ تعمیر، بت تراشی اور مصوری عینی فنونِ لطیفہ ہیں۔ شاعری اور موسیقی ’سماعی فنونِ لطیفہ‘ ہیں۔ قرآن حکیم، احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، تاریخِ عالم اور تاریخِ اسلام کے عمیق مطالعہ اور فطرت کے گہرے مشاہدہ ومطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ایسا فن وادب قابلِ تحسین ہے جو دلوں کو گرمائے، صداقت پر مبنی ہو، راست گوئی کی تعلیم دے، آزادی کے ماحول میں تخلیق ہوا اور آزادی رائے پر مبنی ہو۔ ایسا فن وادب جس سے سوزِ دل حاصل نہ ہو، حق گوئی وبے باکی اور آزادئ افکار کا درس اور تعلیم نہ ملے، بالکل بیکار ہے۔ ایسا فن وادب جو دروغ گوئی پر مبنی ہو، جس سے حروف ویاس اور افسردگی وپژمردگی کے احساسات پیدا ہوں، جو خودی کو کمزور کریں، کاہلی، غفلت، گریز، فرار، کم ہمتی، غلامی کا درس دیں، تباہ کن اثرات کے

حامل ہوں وہ افراد وقوم کے لیے زندگی نہیں بلکہ موت کا پیغام ہیں۔

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا (50)

عہدِ جاہلیت کے شاعر امرالقیس کی شاعری کے موضوعات عیش وعشرت، مے خواری اور لہو ولعب تھے جبکہ اسی دور کے شاعر عنترہ کی شاعری بامقصد تھی۔ اس کے ایک شعر کی حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تعریف فرمائی جس میں اس نے محنت کرنے اور حلال کی روزی کمانے کی تلقین کی تھی۔ حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار فرمایا۔ جبکہ امرالقیس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جہنم رسید کیے جانے والے شاعروں کا سردار قرار دیا۔(51)

اپنے مقصد اور نصب العین سے محبت کا تقاضا ہے کہ انسان حصولِ مقصد کے لیے علم سیکھے، جدوجہد اور کوشش کرے۔ مقصد سے لگن اور جہدِ مسلسل کی وجہ سے علم، ہنر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مقصد اعلیٰ ہوتو اسے حاصل کرنے کے لیے اعلیٰ علم کی ضرورت ہوگی، حسنِ عمل اور حُسنِ اخلاق کی ضرورت ہوگی۔ یہی اعلیٰ علم، اعلیٰ ہنر کو جنم دیتا ہے۔

گویا نصب العینِ حیات (مقصدِ حیات) کا انسانی علم وعمل، ہنر وفن اور اخلاق و کردار سے گہرا تعلق ہے۔ ہر انسان کی زندگی کا حقیقی نصب العین ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ اکثر لوگ اس حقیقت کا ادراک نہیں کر پاتے اور زندگی بھر غلط نظریہ، سوچ یا مقصد کی خاطر تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔

دینِ اسلام ہمیں واضح مقصدِ حیات سے آگاہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مطلوب ومقصود اور موجود ومعبودِ حقیقی ہے۔ کائنات کی ہر شے اس حُسنِ ازلی کی محبت کے گن گاتی ہے۔ ہر انسان اس حُسن کی تلاش میں ہے، اس کی محبت میں سرشار ہے۔ وہ انسان جو اس صحیح نصب العینِ حیات (مقصدِ حیات) کے حصول کے لیے کوشش کرتا ہے وہ بفضلِ تعالیٰ کامیاب زندگی گزارتا ہے۔ اگر کسی کے دل ودماغ پر غلط اور ناقص نصب العین مسلط ہو جائے تو اسکی ساری زندگی غلط راستے پر چل نکلے گی۔ وہ فرض، نیکی، سچائی، آزادی، انصاف اور اس جیسی دوسری اقدار کا مفہوم غلط سمجھے گا اور وہ مفہوم وہی ہوگا جو اس کا غلط نصب العین تلقین کرے گا۔ زندگی کے غلط نصب العین جہاں جہاں موجود ہیں، غلط تعلیم کا نتیجہ ہیں اور غلط تعلیم جہاں جہاں موجود ہے غلط نصب العین کی محبت پیدا کر رہی ہے۔ ہر نصب العین سے ایک مخصوص نظامِ تعلیم نکلتا ہے اور ہر نظامِ تعلیم ایک مخصوص نصب العین کی محبت پیدا کرتا ہے۔

عزیزانِ من! اہلِ مغرب کی طرح، اہلِ اسلام نے بھی مادی خوشحالی اور ترقی کو مقصدِ حیات بنالیا ہے۔ اسلام مادی خوشحالی اور ترقی سے منع نہیں کرتا مگر اصل مقصدِ حیات یعنی معرفتِ الٰہی اور قرب ورضا باری تعالیٰ کے حصول کے مقصد کو نظرانداز کر کے صرف مادی خوشحالی و ترقی کے لیے کوشش کرنا، عین جہالت ہے کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ ایک مسلمان کو ہر حال میں مقصدِ حیات پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ اسے مقصدِ حیات کے حصول کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے اور اسکے ساتھ ہی ہر شعبۂ زندگی میں ترقی وخوشحالی کے لیے بھی بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام میں دین ودنیا کی تفریق نہیں ہے۔ اگر ہم دین کو یکسر نظرانداز کر کے دنیاوی معاملات سرانجام دیں گے تو دینی و دنیاوی اور اُخروی لحاظ سے ناکام رہیں گے۔ اگر ہم دین کے مطابق تمام امور سرانجام دینے کی کوشش کریں گے تو بفضلِ تعالیٰ ہر شعبۂ زندگی میں بھرپور کامیابی حاصل کریں گے اور دینی ودنیاوی اور اُخروی لحاظ سے فلاح پائیں گے۔

صوفیہ کرام اور اولیائے عظام نے اسی اصول کے تحت زندگی بسر کی اور اسی اصول کے تحت تصوف کا نظامِ تعلیم وتربیت مرتب کیا۔ اس نظامِ تعلیم وتربیت میں مُرشدِ کامل اپنی نگاہ اور توجہ سے سالک کے دل میں حُسنِ ازلی کی محبت پیدا کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ محبت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ عشق کا روپ اختیار کر لیتی ہے۔ حُسنِ ازلی کا عشق اسے ہر شے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ عشق سے ایک ایسا انہاک جنم لیتا ہے جس کی موجودگی میں دوسری اشیاء کی طرف انسان کی توجہ ازخود ختم ہو جاتی ہے۔ صوفیہ کے نزدیک عشق مذہب کا جوہر بھی ہے اور عبادت اس عشق ہی کی ایک صورت ہے۔ عشق کی بدولت ایک مرکز پر تمام توجہ مرکوز ہونے کی وجہ سے سب چھوٹی چھوٹی خواہشات ایک بڑی خواہش میں ضم ہو جاتی ہیں جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے۔ جدید نفسیات نے تصدیق کی ہے کہ خواہش کو دبایا تو جاسکتا ہے

مگر اسے مارا نہیں جا سکتا اور جب اسے دبا دیا جائے تو اخراج کا ایک راستہ بند ہونے پر وہ اخراج کے سوراستے دریافت کر لیتی ہے۔ لہٰذا ذہنی اور جذباتی صحت کے لیے ضروری ہے کہ خواہشات کو دبانے کے بجائے ان کی تہذیب کی جائے۔ تصوف بھی یہی کچھ کرتا ہے کہ ''حُسنِ ازل'' کو مرکزِ نگاہ بنا لیتا ہے اور پھر جملہ خواہشات کی قوت عشق کی قوت میں منتقل ہو جاتی ہے۔(52)

تصوف میں پہلا درجہ حُسن کے ظہور سے متعلق ہے۔ تصورِ حُسن کی صحیح تفہیم نہایت ضروری ہے۔ اس کی غلط تفہیم کی وجہ سے اکثر انسان زندگی بھر گمراہی کا شکار رہتے ہیں اور اس طرح حقیقی مقصدِ حیات کی تفہیم اور تحصیل کے بجائے غلط تصورات کی خاطر اپنی تمام تر کوششیں اور توانائیاں صرف کر دیتے ہیں۔ نتیجہ میں وہ خسارے کی زندگی بسر کر کے دنیا سے ناکام و نامراد چلے جاتے ہیں اور انہیں اس امرِ حقیقی کا احساس تک بھی نہیں ہوتا ۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا (53)

تصورِ حُسن کے ضمن میں ڈاکٹر وزیر آغا نے کیا خوب لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''......عام زندگی میں بھی بقائے نسل کا سلسلہ اس جذبے کا مرہونِ منت ہے جو محبوب کے سراپا کو دیکھ کر عاشق کے دل میں کروٹ لیتا ہے اور پھر اسے بے دست و پا کر کے رکھ دیتا ہے۔ محبوب کی یہ کشش محض جسم کی سطح تک رہے تو جنسی کشش کہلائے گی اور اگر اس کی تہذیب کی جائے تو محبت کی لطافت میں تبدیل ہو جائے گی اور اگر اس محبت میں اتنی شدت پیدا ہو جائے کہ عاشق کے لیے محبوب کی ذات کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے تو اسے عشق کا نام ملے گا......''(54)

جب کوئی شخص حقیقتِ اولیٰ کو حُسنِ ازل کے روپ میں دیکھتا ہے تو جس طرح مادی دُنیا کا عاشق اپنے محبوب کے حُسن پر نثار ہو جاتا ہے بالکل اسی طرح وہ حُسنِ ازل کی ڈور سے بندھ کر جذب اور وجد کے مدارج سے گزرتا ہے۔ یہ عشق اپنے مزاج اور کارکردگی کے اعتبار سے مادی سطح کے عشق سے نہ صرف مشابہ ہے بلکہ جب کوئی صوفی فن کے ذریعے عشق کا اظہار کرتا ہے تو اس خاص زبان کو بھی بڑی فراخدلی سے استعمال کرتا ہے جو مادی سطح کی محبت کے سلسلے میں مستعمل ہے۔ فارسی اور اردو شاعری کے صوفی شعرا کے ہاں جنسی تلازمات کے ذریعے ہی عشق کی ساری داستان بیان ہوئی ہے۔ ایسی شاعری کا بیک وقت جنسی پہلوؤں کے اعتبار سے بھی تجزیہ ہو سکتا ہے اور عارفانہ پہلوؤں کے اعتبار سے بھی۔ اصل بات جذبہ ہے جسے تہذیب اور تطہیر کی بدولت صحیح سمت مل جاتی ہے۔

صوفیہ کے نزدیک عشق مذہب کا جوہر ہے۔ عبادت اس عشق ہی کی ایک صورت ہے۔ عشق شرابِ حیات ہے۔ یہ وجد کی اس حالت تک لے جاتا ہے جو خدا کے قُرب میں موجود ہوتی ہے۔ یہ سچا عشق ہے جو تمام خود غرضانہ مقاصد سے مبرّا ہے۔ عاشقوں میں سے کسی ایک سے پوچھا گیا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور کہاں کے ارادے ہیں، تو اس نے جواب دیا کہ وہ اپنے محبوب کے پاس سے آیا ہے اور محبوب کی طرف جا رہا ہے۔ جب پوچھا گیا کہ اسے کس کی تلاش ہے تو جواب ملا کہ اسے اپنے محبوب کی تلاش ہے۔ جب اس سے استفسار کیا گیا کہ اس نے کیا پہن رکھا ہے تو اس نے جواباً کہا کہ محبوب کے برقع سے اس نے خود کو ڈھانپا ہوا ہے اور اس کا چہرہ اس لیے زرد ہے کیونکہ وہ اپنے محبوب سے جدا ہے۔ پھر جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کب تک محبوب! محبوب! کی رٹ لگا تا رہے گا تو اس نے کہا کہ جب تک وہ اپنے محبوب کا چہرہ دیکھ نہیں لیتا وہ اس کے نام کا وِرد کرتا چلا جائے گا۔''(55)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت واضح انداز سے تصورِ حُسن و محبت بیان فرمایا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''حُسن سے صرف وہی شخص محبت کر سکتا ہے جو اسے دیکھنے پر قادر ہو کیونکہ حُسن کا نظارہ کرنا بجائے خود مسرت ہے۔ بے شک خوبصورت چیزوں کو ان کے حُسن کی بنا پر پیار کرنا چاہیے نہ کہ اس مقصد کے لیے جو ان سے حاصل ہو سکتا ہے، مثلاً جب ہم سبزہ زاروں اور بہتی ندیوں سے محبت کرتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ سبز پتوں کو کھائیں یا (ندیوں کے) پانی کو پییں۔ اسی طرح خوبصورت ترشے ہوئے پرندوں اور

اُنس یا میلان ← محبت ← شدید محبت (عشقِ مجازی) ← عشقِ حقیقی

شاداب پھولوں کو دیکھنا بجائے خود تحصیلِ مسرت کی ایک صورت ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں۔ جب حُسن کا جلوہ نظر آتا ہے تو قدرتی طور پر

اس سے محبت جاگ اُٹھتی ہے۔ خدا حُسن ہے اور اسی لیے جس پر اللہ تعالیٰ کا حُسن منکشف ہوتا ہے وہ مجبور ہے کہ اس سے عشق کرے۔۔۔۔ انسان خدا سے اس لیے بھی محبت کرتا ہے کیونکہ انسانی روح اور اس کے منبع (یعنی روحِ کُل) میں ایک خاص ربط ہے، کیونکہ وہ (یعنی روح) الوہی اوصاف میں شریک ہے، اور علم اور محبت کے ذریعے وہ بقائے دوام حاصل کر کے خدا جیسی بن سکتی ہے۔ ایسی محبت جب توانا اور محیط ہو جائے تو عشق کہلاتی ہے جس کا مطلب بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ اب مضبوط بنیادوں پر استوار اور بے نہایت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا کی ہر اچھی اور خوبصورت اور محبوب شے ذاتِ باری کی بے پایاں محبت ہی کا عطیہ ہے کیونکہ دُنیا میں جو بھی اچھی اور خوبصورت شے ہے، جس کا ذہن اور کان اور آنکھ مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ دراصل خدا کے خزانے کا محض ایک ذرّہ ہے، اور اس کی تجلی کی محض ایک شعاع ہے۔"(56)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے درج ذیل امور واضح ہوتے ہیں:

1۔ حسنِ ازل روشنی سے عبارت ہے۔ کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نور کی تجلّی کی شکل میں ہی حسنِ ازل کا دیدار حاصل ہوا تھا جس سے ان کی نگاہیں خیرہ ہوگئی تھیں۔

2۔ دنیا میں جہاں کہیں حُسن ہے، خواہ وہ کسی بھی شے میں نظر آئے، کسی بھی صورت میں ہو، حُسنِ ازل ہی کا عطیہ ہے۔ حُسن کا یہ تصور اسلام کی بنیادی تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ؕ ......۔النور[24:25]

اللہ زمین وآسمان کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال اس چراغ دان کی ہے جس میں چراغ ہو۔

تصوف کے مطابق عشقِ مجازی عشقِ حقیقی کے لیے ایک زینے کا کام دیتا ہے۔ یہی بات حُسن کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے کہ مادی حُسن وہ "کھڑکی" ہے جس سے صوفی کو حُسنِ ازل کی ایک جھلک دکھائی دیتی ہے۔

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی — پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی (57)

حُسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے — انسان میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے (58)

محفلِ قدرت ہے اک دریائے بے پایانِ حُسن — آنکھ اگر دیکھے تو ہر قطرے میں ہے طوفانِ حُسن (59)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق عشق کسی محبوبۂ پری تمثال کی ہوس آمیز محبت نہیں بلکہ وہ ایک ایسا طوفانی جذبہ ہے جو کائنات کے حُسن کو اپنی گرفت میں لیتا اور اس خیرِ مطلق سے فروغ حاصل کرتا ہے جو خود خالقِ کائنات کا جمال ہے۔

اہلِ تصوف کے نزدیک عام آدمی کے برعکس صوفی کو اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی کائنات کے مظاہر میں حُسنِ منعکس دکھائی دینے لگتا ہے اور وہ اس حُسن کی ڈور سے بندھا ہوا اس دیار میں جا نکلتا ہے جو حُسنِ ازل کی ضیا پاشیوں سے منوّر رہے۔

معرفت و وصال اور عرفان و پہچان کے اس روحانی، فکری و نظری سفر کے درج ذیل چھ (6) مدارج ہیں:

(الف) حُسن (ب) طواف (ج) ارتکاز

(د) قربانی (ہ) جست (و) وصال

<u>پہلے درجہ میں</u> محبت چاہے وہ جنسی خواہش کی صورت میں ہو یا ماورائے عشق کی صورت میں، انسان کے بطون میں سوئی پڑی ہوتی ہے۔ حُسن کو دیکھ کر یہ محبت متحرک ہو جاتی ہے اور پھر اپنی منزل تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے۔

<u>دوسرے درجہ میں</u> عاشق محبوب کے گرد ایک پروانے کی طرح طواف کرنے لگتا ہے۔

<u>تیسرے درجہ میں</u> اس طواف، رقص یا مرکز مائل گردش کی بدولت اسے خود فراموشی اور ارتکازِ توجہ کی کیفیات حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس طرح اُسے منتشر الخیالی اور خواہشات کے تلاطم سے نجات مل جاتی ہے۔ عشق کی بدولت، عبادت اور دعا میں شدید ارتکاز اور انہماک پیدا ہو جاتا ہے جو عبادت گزار کو ذہن کے انتشار اور بکھراؤ سے نجات دلا کر ایک ہی "خیال" کے تابع کر دیتا ہے۔ عبادت گزار انسان اپنے محبوبِ حقیقی کے قرب و رضا کے حصول کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے جس سے اسے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن حاصل ہوتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر فضلِ خداوندی سے اُس کا حسنِ ازلی سے روحانی رابطہ و تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بیداری کی ساعتوں میں اس عارف کے لیے ''غائب'' کی کھڑکی کھل جاتی ہے جس نے کوشش کر کے خود کو پاک صاف کر لیا ہے اور خواہشات کی قوت سے چھٹکارا پالیا ہے۔ ایسا عارف جو کنجِ تنہائی میں بیٹھ کر اور اپنی حسیات کو سربہ مُہر کر کے، اپنی رُوح کی آنکھوں اور کانوں کو کھول دیتا ہے اور الُوہی دیار سے اپنی روح کو ہم رشتہ کر کے دل میں ''اللہ'' کا ورد کرتا ہے (زبان سے نہیں)۔ وہ اپنے وجود اور دنیائے موجود سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور صرف ربِّ جلیل کو دیکھتا ہے۔

''وہ (عارف) ہر شے سے منقطع ہو جاتا ہے اور ہر شے اس سے منقطع ہو جاتی ہے۔ وہ پہلے اللہ کی طرف سفر کرتا ہے اور آخر میں اللہ کی ذات کے اندر سفر کرتا ہے لیکن اگر اس مقام پر اس کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ وہ اپنے آپ سے مکمل طور پر باہر آ گیا ہے تو یہ عیب کی بات ہے۔ مکمل ارتکاز اور انہماک کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود سے ہی نہیں بلکہ اپنے انہماک اور ارتکاز سے بھی غافل ہو۔''(60)

تصوف میں ارتکاز اور انہماک کی ضرورت واہمیت اور افادیت کی تفہیم کے لیے ایک گیانی کا قصہ سبق آموز ہے۔ وہ ہندوستان کا ایک راجا تھا اور دن رات ملک کے مسائل میں کھویا رہتا تھا۔ دراصل وہ ایک گیانی تھا جس نے تمام فاصلے طے کر لیے تھے اور ارتکاز کی ایک مکمل کیفیت میں ڈوب گیا تھا۔ اس راجا سے ایک شخص نے سوال کیا کہ یہ کیونکر ہوا کہ آپ بیک وقت دنیادار بھی ہیں اور گیانی بھی؟ راجا نے حکم دیا کہ پانی سے بھرا ہوا ایک پیالہ اس شخص کے ہاتھ میں تھما دیا جائے اور پھر اسے حکم دیا کہ وہ سارے شہر کا ایک چکر لگائے اور ساتھ ہی تنبیہہ بھی کر دی کہ اگر پیالہ سے ایک قطرہ میں چھلکا تو اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔ اب یہ شخص پانی کے پیالے پر اپنی نظریں ہی نہیں اپنا پورا جسم بلکہ اپنی روح تک کو مرکوز کیے جب سارے بازار میں گھوم پھر کر واپس راجا کے پاس آیا تو راجا نے پوچھا: ''اے شخص! تو نے بازار میں کیا کچھ دیکھا؟'' اس کے جواب میں اُس شخص نے کہا: ''اے راجا! میں تو پیالے میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ مجھے کچھ خبر نہیں کہ میرے چاروں طرف کیا تھا اور کیا ہو رہا تھا''۔ راجا نے کہا: ''یہی حال میرا ہے! میں اُس حُسنِ ازل کے پرتو سے اس قدر مبہوت ہوں کہ میرے لیے یہ سب کچھ کوئی وجود نہیں رکھتا''۔

حُسنِ ازلی کے گرد طواف اور ارتکازِ توجہ کے مراحل کے بعد <u>چوتھا مرحلہ</u> ''قربانی'' کا آتا ہے۔ قربانی سے مراد راہِ خدا میں اپنی عزیز ترین شے کو قربان کر دینا ہے۔ اس مرحلہ پر عاشقِ صادق اپنی ذات اور مطلوب ومقصود اور محبوبِ حقیقی کے درمیان جس چیز کو بھی رکاوٹ پاتا ہے، قربان کر دیتا ہے۔ وہ اخلاقِ رذیلہ سے چھٹکارا پاتا ہے۔ سوائے محبوب کی خواہش کے سب خواہشات سے چھٹکارا پاتا ہے۔ اس ضمن میں ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''صبر کے تین مدارج ہیں: اوّلاً کہ نو کر شکایت کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ یہ پشیمانی کا درجہ ہے۔ ثانیاً وہ تقدیر پر شاکر ہو جاتا ہے۔ ثالثاً وہ اس سلوک سے پیار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ اس سے کرتا ہے۔ زاہد کی ابتدا یہ ہے کہ انسان عقبیٰ کا فکر کرے...... اور عقبیٰ کا فکر اس وقت تک (رُوح میں) داخل نہیں ہوتا جب تک کہ دُنیا کا فکر اس سے خارج نہ ہو جائے اور نہ امید کی شیرینی ہی ارزانی ہوتی ہے جب تک کہ خواہش کی شیرینی رخصت نہ ہو جائے۔ سچے زُہد کا مطلب یہ ہے کہ دل سے دُنیاوی شے کے لیے وابستگی کے خیالات پوری طرح خارج کر دیئے جائیں اور انہیں نخوت قرار دیا جائے۔ صرف ایسی صورت ہی میں زہد مکمل ہو سکتا ہے۔''(61)

ابنِ سینا لکھتا ہے:

''عارف کے لیے پہلا قدم یہ ہے کہ وہ اپنے ارادے کو بروئے کار لا کر رُوح کی تربیت کرے اور اس کا رُخ اللہ تعالیٰ کی طرف کر دے تا کہ وہ وصال کی مسرّت سے ہم کنار ہو سکے۔ دوسرا مرحلہ تربیتِ ذات ہے جس کا رُخ تین چیزوں کی طرف ہوتا ہے:...... عارف کے ذہن سے خدا کے سوا تمام خیالات کو خارج کرنا، اس کی شہوانیت کو رُوح کے عقلی پہلو کے تابع کرنا تا کہ اس کے خیالات اور تصوّرات ارفع چیزوں کی طرف منتقل ہوں۔ تیسرے مرحلے کا مطلب یہ ہے کہ اب رُوحِ حیوانی خواہشات سے آزاد ہو کر اچھے خیالات سے لبریز ہو گئی ہے اور روحانی محبت سے سرشار ہو کر محبوبِ ازلی کے اوصافِ حمیدہ کے تابع ہونے کی کوشش میں ہے۔''(62)

عاشقِ صادق کے لیے محبوب ہی مطلوب ومقصودِ حقیقی ہوتا ہے۔ وہ محبوب کے سوا سب کچھ ترک کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اس 'ترک' کا خیال بھی ترک کر دیتا ہے۔

واعظ! کمالِ ترک سے ملتی ہے یاں مراد   دنیا جو چھوڑ دی ہے تو عقبیٰ بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے (63)

قربانی کے مرحلہ کے بعد **پانچواں مرحلہ** آتا ہے جو جست یا تقلیب کا مرحلہ کہلاتا ہے۔ اس مرحلہ پر طالب اور مطلوب کے درمیان حائل حجابات (پردے) ہٹ جاتے ہیں۔ طالب ایک جَست لگا کر حُسنِ ازل سے وابستہ ہونے کی کوشش کرتا ہے اور نتیجہ میں خود کو ایک نئی روحانی سطح پر فائز پاتا ہے۔

عشق کی اِک جست نے طے کر دیا قصہ تمام اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں (64)

روحانی سفر میں **چھٹا مرحلہ** ''وصال'' کا ہے۔ تصوف میں ترکِ خود اور بے خودی دو بالکل مختلف مراحل ہیں جنہیں اکثر لوگوں نے ایک ہی کیفیت سمجھ لیا ہے۔ نفیٔ خود یا ترکِ خود سے مراد خدمتِ خلق، اطاعتِ شیخ، تطہیر اور مراقبے وغیرہ سے تزکیۂ باطن کرنا یعنی ''اندر کی کوٹھی'' کو پاک صاف کرنا ہے۔ جب سالک تزکیۂ باطن کر کے، عشق کی قوت سے لیس ہو کر آگے بڑھتا ہے تو وصال کا مرحلہ آتا ہے۔ وصال روحانی بے خودی کا مرحلہ ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سالک ''خودی'' کو عبور کرتا ہے اور ذاتِ واحد میں ضم ہو جاتا ہے۔ ''نفی خودی'' اس مقامِ آگہی اور مقامِ بے خودی تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سید عبداللہ پروفیسر ہو یا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''......سفرِ صعودی کے کئی مدارج ...... ہیں۔ ابتدا میں خدمتِ خلق اور اطاعتِ شیخ پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ بعد میں شیخ رذائلِ نفسانی کی تطہیر کی کوشش کرتا ہے۔ پھر محبت کل اور مراقبے کے طریقے بتاتا ہے۔ اس کے بعد ذکر و فکر، اس کے بعد تعطلِ احساس کی منزل آتی ہے۔ اس حالت میں وجود و حال، مگر اس میں پھر حیرت، قبض اور بعض اوقات رجعت کی تکلیف پیش آجاتی ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے تا آنکہ عارف برائے العین خدا کا دیدار کر لیتا ہے جو دراصل تمہید ہوتی ہے اُس وصالِ روحانی کی جس کے لیے تصوّف کا کل نظام قائم شدہ سمجھا گیا ہے''۔ (65)

بے خودی کے بارے میں 'ابیاتِ باہو' میں سلطان الطاف علی لکھتے ہیں:

''تصوف کی اصطلاح میں اس مقام کو توحید حقیقت کا مرتبۂ تنزیہی کہا جاتا ہے جبکہ اس مقام پر جملہ کائنات کی ہستی انوارِ الٰہی کے پرتو میں ایسی فنا ہو جاتی ہے کہ سالک کی نظر میں (کسی چیز کا وجود سوائے ذاتِ ربّانی نہیں رہتا)۔ جب اس دریائے ناپیدا کنار کا شناور صفاتِ موجودات کی تجلّیات سے فنا کلّی حاصل کر لیتا ہے اور حدوث و امکان کی آلایش سے مجرد ہو جاتا ہے تو ایک موج دریائے ذات کی گہرائی سے سرِ خفی پر وارد ہوتی ہے جو عارف کو ورطۂ عدم میں ڈال دیتی ہے۔ محو در محو اور فنا در فنا ہو جاتا ہے۔ اس مقام میں نہ وجود، نہ شہود، اسم نہ مسمّٰی، نہ قدم نہ عدم، نہ عرش نہ فرش، نہ اثر نہ خبر، نہ علم نہ خود، نہ علمِ حق۔ غرضیکہ کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ گویا خودی کے عالم میں صوفی فنا فی الذّات ہو جاتا ہے یعنی ایک ایسا مقام جہاں نہ جسم ہے نہ رُوح، نہ عشق و محبت، نہ کون و مکان۔ یہ وصال کا لمحہ ہے جو قطرے کو دریا میں ضم کر کے قطرے کی خودی کو ختم کر دیتا ہے۔ واضح رہے کہ تصوّف میں اصل نکتہ یہ ہے کہ قطرے کا کوئی وجود نہیں۔ صرف دریا ہی اصل حقیقت ہے، لیکن ایک عالمِ خواب یا فریبِ نظر میں مبتلا ہونے کے باعث سالک نے خود کو قطرہ سمجھ لیا ہے اور اب وہ دریا سے ملنے کے لیے بے تاب ہے، حالانکہ وہ پہلے بھی دریا تھا، اب بھی دریا ہے۔ قطرہ تو کبھی تھا ہی نہیں۔ اسی بات کو ''رسی میں سانپ'' کی تمثیل میں بھی بیان کیا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ ناظر کو اگر رسّی سانپ کے روپ میں نظر آتی ہے تو یہ سب ناظر کی اپنی نظر کا فریب ہے، حقیقتاً رسی تو ہمیشہ سے رسّی ہے۔ البتہ سانپ ایک واہمہ ہے۔ و۔ ع۔ رخ لکھتے ہیں:

''تجھے رسّی میں سانپ دکھائی دیتا ہے لیکن سانپ تو موجود ہے ہی نہیں اور اگر وہ تجھے نظر آیا تو یہ تیری آنکھ کا قصور تھا۔
سانپ کا وجود رسّی سے کبھی الگ نہ تھا۔
یہ تیری آنکھ کی غلطی ہے کہ وہ تجھے رسّی سے الگ نظر آیا۔
اللہ کے سوا دوسری کوئی چیز نہیں۔ یہ آنکھ کا قصور ہے کہ اسے اللہ کے سوا بھی کچھ دکھائی دیتا ہے۔
مٹی کے برتنوں میں بجز مٹی اور کوئی چیز نہیں۔ یہ سمجھ کی غلطی ہے کہ کہا جائے، یہ بُت ہے، یہ گھڑا ہے اور یہ دیوار۔
اس جہان کا علّتِ مادہ خدا ہے۔ یہ جہان اس سے الگ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ یہ تیری آنکھ کا قصور ہے کہ تو نے اُسے اللہ سے الگ کوئی چیز قرار دیا''۔ (66)

مراد یہ ہے کہ موجودات چاہے وہ خارج میں ہوں یا باطن میں، زمانی ہوں یا مکانی، ان سب کی حقیقت اللہ ہی ہے۔ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ

نے وجود عطا فرمایا۔ اسے تخلیق فرمایا، شکل وصورت اور بقا عطا فرمائی۔ جو کچھ بھی نظر آتا ہے ذاتِ باری تعالیٰ کے ارادے سے قائم ہے اور نظر آتا ہے۔ گو ہر شے خدا نہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں۔ راہِ سلوک میں ایک مقام ایسا آتا ہے کہ سالک کو ہر طرف اللہ ہی اللہ نظر آتا ہے۔ وہ بے خودی کے مقام پر ہوتا ہے۔ اس مقام پر خالق ومخلوق کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ سالک نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے اور اُسے ہر طرف نورِ الٰہی نظر آتا ہے۔ جب وہ ہوش میں آتا ہے تو اسے خالق ومخلوق میں فرق نظر آنے لگتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا نہایت خوبصورتی سے وصال کی کیفیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''صوفیا کے نزدیک عشق کی تگ وتاز میں ''وصال'' کا لمحہ ''بے خودی'' کا وہ لمحہ ہے جس میں سالک کی فراق زدہ روح اپنے ''خود'' یا وجود سے نجات پا کر ذاتِ زوال میں اس طور ضم ہو جاتی ہے جیسے قطرہ سمندر میں اور پروانہ شمع میں گم ہو جاتا ہے یا بعض صوفیانہ مسالک کے مطابق وصال کا لمحہ دراصل ''پہچان'' کا لمحہ ہے۔ جب صوفی کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ قطرہ کبھی تھا ہی نہیں، محض ایک فریبِ نظر میں مبتلا ہو کر خود کو قطرہ سمجھ بیٹھا تھا تو معاً اس کو اپنے سمندر ہونے کا عرفان حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی تلاش کا سلسلہ از خود ختم ہو جاتا ہے۔ گویا صوفی قطرے سے سمندر تک سفر نہیں کرتا بلکہ اپنی اُس حیثیت کی بازیابی کرتا ہے جو دراصل سمندر کی حیثیت تھی۔ لہٰذا سارا قضیہ ''فریبِ نظر'' کا ہے اور بس! بہر کیف صورت کوئی بھی کیوں نہ ہو صوفی کے ہاں وصال کی حالت ''بے خودی'' یا جذب کا وہ عالم ہے جس میں وہ یا تو روحِ ابد سے ہم کنار ہوتا ہے یا روحِ ابد کی بازیابی کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں کثرت اور بکھراؤ کی صورت باقی نہیں رہتی اور صوفی کو اپنی وحدت پر حق الیقین ہو جاتا ہے۔''(67)

تو ہے محیطِ بیکراں، میں ذرا سی آبجو یا مجھے ھمکنار کر یا مجھے بیکنار کر

تصوف میں وصال کا مطلب اولاً یہ ہے کہ سالک خود کو حقیقتِ عظمیٰ میں ضم کر دے اور ثانیاً یہ کہ وہ خود حقیقتِ عظمیٰ کا مظہر بن جائے۔ راہِ سلوک کی کیفیات، معاملات اور حالات کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ ان تحریروں کی مدد سے وصال کا مفہوم سمجھا اور سمجھایا جا سکتا ہے مگر حقیقی تفہیم اسی صورت میں ممکن ہے کہ انسان خود اس راہ پر چلے اور عملی طور پر فنا و بقا اور وصال وفراق کی کیفیات کا تجربہ اور ادراک حاصل کرے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ تصوف قال کا نہیں بلکہ حال کا نام ہے۔ اس ضمن میں خواجہ فریدالدین عطار رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ''ایک شب پروانے ایک جگہ اکٹھے ہوئے...... اپنے دلوں میں شمع سے ہمکنار ہونے کی آرزو لیے.....ان سب نے یک زبان ہو کر کہا، ہمیں کسی ایسے ساتھی کی تلاش کرنی چاہیے جو ہمیں اس کی خبر لا کر دے جس کے لیے ہم اس قدر بے قرار ہیں، تب ان میں سے ایک پروانہ ایک دُور افتادہ قلعے کی طرف اُڑا اور اس نے قلعے کے اندر ایک شمع کی روشنی دیکھی۔ وہ واپس آیا اور اس نے دوسروں کو بتایا۔ پھر شمع کے بارے میں بڑی دانشمندی سے باتیں کرنے لگا۔ مگر پروانوں میں سب سے عقل مند پروانے نے کہا: ''یہ پروانہ ہمیں شمع کے بارے میں کوئی معتبر خبر نہیں دے سکتا۔'' ایک اور پروانہ شمع کے پاس گیا۔ وہ شمع کے اس قدر قریب چلا گیا کہ اس کے پروں نے شمع کے شعلے کو چھو لیا۔ مگر تپش اتنی زیادہ تھی کہ اسے واپس آنا پڑا۔ واپس آ کر اس نے بھی روشنی کے اسرار پر سے پردہ اُٹھایا اور بتایا کہ شمع سے وصال کی نوعیت کیا ہوتی ہے۔ مگر عقل مند پروانے نے کہا: ''تم جو توضیح پیش کر رہے ہو وہ اتنی ہی بے کار ہے جتنی تمہارے ساتھی کی۔'' تب تیسرا پروانہ اُڑا اور یہ پروانہ عشق کے نشے میں سرشار تھا۔ وہ گیا اور اس نے جاتے ہی خود کو شمع کے حوالے کر دیا۔ پھر جب وہ شعلے سے ہمکنار ہو گیا تو شمع ہی کی طرح لَو دینے لگا۔ جب عقل مند پروانے نے دُور سے دیکھا کہ شمع نے پروانے کو خود میں جذب کر لیا ہے اور پروانے کو اپنی روشنی عطا کر دی ہے تو اس نے کہا: اس پروانے نے اپنے عشق کی تکمیل کر دی ہے۔ لیکن اس تجربے کو صرف وہی جانتا ہے کوئی اور نہیں جان سکتا۔'' سچی بات یہ ہے کہ صرف وہی جو اپنے وجود کو یکسر بھُول جاتا ہے محبوب کا علم حاصل کرتا ہے۔ جب تک تم اپنے جسم اور روح کو نظر انداز نہیں کرو گے تم اسے کیسے جان سکتے ہو جس سے تمہیں عشق ہے؟''(68)

بندۂ عاجز کے پیرو مرشد حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری مدظلہ العالی نے معرفت و وصلِ ذاتِ باری تعالیٰ کے ضمن میں کیا خوب ارشاد فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''جسمانی طور پر ذاتِ باری تعالیٰ تک پہنچنا مقصود نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ ممکن ہے' کیونکہ ذات مادی جسم اور عنصری وجود سے بے نیاز اور مبرا ہے، بلکہ یہ پہنچ اور رسائی روحانی' ذہنی' شعوری' عقلی اور علمی ہوتی ہے۔ اصل مقصد ذات کا عرفان ہوتا ہے۔ ذات کو مادی اور جسمانی طور پر پانے اور حاصل کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اسے پہچاننے اور اس کی معرفت کی ضرورت ہوتی ہے' اور اس کی معرفت ہی درحقیقت اس کی

یافت ہے۔ یہ عرفان اپنی ذات اور اپنے نفس سے شروع ہوتا ہے' جب اپنی پہچان اور اپنی معرفت ہو جاتی ہے تو ذات کی بھی معرفت اور پہچان ہو جاتی ہے۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ سے یہی مراد ہے۔" (69)

عبد اور معبود کے درمیان صرف بشری، ملکوتی (نورانی) اور فکری ونظری حجابات (پردے) حائل ہیں۔ جب مرشدِ کامل کی توجہ و فیضان سے بفضلِ باری تعالیٰ یہ پردے ہٹ جائیں تو معرفت وعرفان اور آگہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں مرشدِ کامل حضرت قبلہ فقیر عبد الحمید سروری قادری کی یہ تحریر بار بار پڑھنے سمجھنے اور حرزِ جان بنانے کی ضرورت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"عبد اور معبود کے درمیان کوئی مکانی اور زمانی بعد موجود نہیں، روح، ذہن، تخیل اور تفکر کا ذات اور معبود کی طرف صرف رخ اور دھارا موڑنے کی ضرورت ہوتی ہے اور انسانی شعور اور ادراک کو اس کی طرف متوجہ، راغب اور منتقل کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ ورنہ ذات کا رخ اور توجہ تو ہر سمت اور ہمہ جہت ہے۔ اور وہ ہر جگہ اور عبد کی روح' ذہن اور تخیل کے اندر موجود ہے۔ عبد کا ذہن اور تخیل مادی کائنات، مادی اشیاء اور مادی نفسانی خواہشات کی طرف لگ کر ذات کی سمت اور ذات کی جہت سے ہٹ جاتا ہے اور یہی حجابات اور پردے درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں۔ یہ حجابات اور پردے درمیان سے ہٹ جائیں تو پھر ذات ہی ذات ہے' رویت ہی رویت ہے' دیدار ہی دیدار ہے اور مشاہدہ ہی مشاہدہ ہے۔

انسان کا مادی جسم چونکہ مادی کائنات کا ایک حصہ اور جزو ہے اور انسانی روح' ذہن اور شعور ادراک کا بسیرا اور مسکن اسی کے اندر ہے۔ اس لیے زندگی میں اس مادی خول سے نکلنا اور مادی اشیاء اور مادی نفسانی خواہشات اور لذات کو ترک کرنا چھوڑنا آسان کام نہیں ہوتا اور روح، ذہن اور شعور کا رخ مادی اشیاء سے پھیر کر ذات کی طرف موڑنا اور لگانا بہت مشکل اور دشوار کام ہے۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ یہ کام جس قدر مشکل اور کٹھن ہے' اس سے زیادہ آسان اور سہل ہے۔ اور جس قدر آسان اور سہل ہے' اس سے کہیں زیادہ مشکل اور دشوار ہے۔ یہ راستہ جتنا طویل اور دراز ہے۔ اتنا ہی مختصر بھی ہے اور جتنا مختصر ہے اتنا ہی طویل اور دراز بھی ہے۔ مسلسل جدوجہد' پیہم سعی وکوشش لگاتار محنت اور ریاضت اور کسی رہبر کی رہنمائی سے یہ کام آسان ہو جاتا ہے' اور بعض اوقات کسی ایک ضربِ کلیمی، کسی ایک روحانی جنبش اور کسی ایک ذہنی انقلاب سے یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ اس قلزمِ خاموش کے اسرار کھل جاتے ہیں اور یہ تمام پردے اور حجابات نیست ونابود ہو جاتے ہیں۔

دراصل کام صرف اتنا سا ہے کہ مادی اشیاء اور مادی نفسانی خواہشات سے توجہ اور خیال ہٹ جائے اور اس کا رخ ذات کی طرف ہو جائے۔ یہی سلوک کا منتہائے مقصود ہے۔ یہی تصوف کی معراج ہے اور یہی فقر وروحانیت کا کمال ہے۔ تصوف اور سلوک کے تمام طریقوں میں یہی کچھ بتایا جاتا ہے۔ اسی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی کی ہدایت اور تلقین کی جاتی ہے۔ اسی ایک بات اور امر کی تشریح اور توضیح میں تصوف کی ہزاروں کتابیں عالمِ وجود میں آ گئیں۔ اسی ایک نکتے کی وضاحت کرتے کرتے صوفیاء' اور سالکین نے عمریں گزار دیں اور اسی ایک راز کو سمجھاتے سمجھاتے روحانیین اور اشراقین نے دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے۔

یہی ایک عظیم اور مقدس راز ہے' جو ازل سے انسانوں کو سمجھایا جا رہا ہے اور ابد تک سمجھایا جاتا رہے گا۔ اسی ایک بات اور مقصد کی تکمیل کی خاطر پیغمبر اور رسول بھیجے گئے اور اسی ایک نصب العین کے حصول کے لیے کتابیں اور صحیفے نازل کئے گئے، ہدایت اور تعلیم وتلقین کا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کام کی تکمیل کے لیے اللہ تعالیٰ ہر دور میں راہبر اور پیشوا پیدا کرتا رہے گا اور دنیا کبھی ان مقدس نفوس سے خالی نہیں ہوگی۔ اگر یہ لوگ نہ رہے تو دنیا بھی نہیں رہے گی۔ دنیا ان کے دم سے قائم ہے۔ (70)

حُسنِ مطلق (حُسنِ ازلی، ذاتِ باری تعالیٰ) اور سالک (عاشق صادق) کے درمیان بہت سے ظلمانی ونورانی پردے حائل ہوتے ہیں۔ ذکر وفکر، مجاہدہ وریاضت اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی بدولت یہ پردے ہٹتے چلے جاتے ہیں اور دوری، نزدیکی میں بدلتی جاتی ہے۔ نورانی پردے (نورانی حجابات) بہت لطیف ہوتے ہیں۔ ان کا احساس وادراک بہت مشکل سے ہوتا ہے۔ اس لیے ان پردوں کا اُٹھنا بہت مشکل کام ہے۔ اس مرحلے سے گزر کر حسنِ ازلی تک رسائی پانا ہی سب سے بڑا کام ہے۔ ان پردوں کے بارے میں حضرت بایزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"غُصْتُ لُجَّةَ الْمَعَارِفِ طَالِباً لِلْوُقُوفِ عَلٰی عَیْنِ حَقِیْقَةِ النَّبِیَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم فَاِذَا بَیْنِی وَ بَیْنِھَا اَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ لَوْ دَنَوْتُ مِنَ الْحِجَابِ الْاَوَّلِ لَاَ حْرَقْتُ بِہٖ کَمَا تَحْتَرِقُ الشَّعْرَةَ اِذَاْ اُلْقِیَتْ فِی النَّارِ۔

میں نے معرفت کے سمندروں میں غوطہ لگایا۔ تاکہ حقیقتِ مصطفویؐ کی معرفت حاصل کروں۔ دیکھا کہ میرے اور حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ

وسلم کے درمیان ایک ہزار پردے حائل ہیں اور مجھے یہ پتہ چلا کہ اگر میں پہلے پَردے کی طرف ایک قدم بھی بڑھاتا تو جل کر یوں راکھ ہو جاتا جیسے بال آگ میں گر کر اپنے وجود کو جلا بیٹھتا ہے۔''(71)

اس روحانی سفر کے دوران نفسِ انسانی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے **نفس امارہ** سے **نفس مُلھمہ** پر **نفسِ لوّامہ** اور پھر **نفسِ مطمئنہ** کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے پکار کر کہتا ہے:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُo ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةًo الفجر [9:27-28]

اے اطمینان پا جانے والے نفس o تو اپنے رب کی طرف اس حال میں لوٹ آ کہ تو اس کی رضا کا طالب بھی ہو اور اس کی رضا کا مطلوب بھی (گویا اس کی رضا تیری مطلوب ہو اور تیری رضا اس کی مطلوب) o

جب سالک عرفانِ نفس کے ذریعے عرفانِ ذات (عرفانِ حُسنِ ازلی) کی خاطر راہِ سلوک پر گامزن ہوتا ہے تو، توحید افعالی، توحید صفاتی اور توحید ذاتی کی منازل آتی ہیں۔ توحید افعالی پہلی منزل ہے۔ اس مقام پر سالک اس کائنات ارض وسماء کے تمام موجودات اور ان کی حرکات وسکنات میں صرف اور صرف اسی قادر مطلق کی قدرت اور قوت کا مشاہدہ کرتا ہے اور صرف اسی ذات کو موثر اور فاعل کے طور پر دیکھتا ہے اور اس جہان رنگ وبو کو ایک سائے کی مانند دیکھتا ہے۔ اس مرحلے کا قرآن حکیم میں ان الفاظ میں ذکر ہوا ہے۔

...وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ الاعراف [7:54]

... سورج، چاند اور ستارے اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔

مراد یہ ہے کہ سورج، چاند، ستارے اور دیگر سیّارگان کی تسخیر اور حرکت میں باری تعالیٰ ہی کی قدرت وتدبیر کارفرما ہے۔ کائناتِ ارض وسما کا ہر وجود اپنی نقل وحرکت میں ذاتِ ایزدی کے تصرّف، توجہ اور تدبیر کا محتاج ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے توحید افعالی کا اس طرح سے ذکر فرمایا ہے:

''وصاحب توحید افعالی ناسوت را مثل ظلِ عالمِ غیب مے بیند چناں کہ اگر عاقل بیند کہ سایہ متحرک است بطریقِ بداہت اثبات جسمے کہ اصل سایہ است می کند ہم چنیں ایں مرد در حوادثِ عالم وافرادِ آں تدبیرِ غیبی را کہ عالمِ ناسوت ظلِ آں است مشاہدہ مے نماید۔''

اور جسے توحیدِ افعالی کی نسبت حاصل ہو جائے وہ ناسوت یعنی عالمِ مادیات اپنے سامنے یوں پاتا ہے جیسے وہ عالمِ غیب کا سایہ اور ظل ہے۔ اب ایک عقلمند آدمی کی مثال لیجیے، اگر وہ سائے کو حرکت کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ بلا کسی شک وشبہ کے بداہتہً اس بات پر یقین کر لیتا ہے کہ کوئی جسم موجود ہے جس کا سایہ وہ دیکھ رہا ہے۔ بعینہٖ یہی کیفیت اس شخص کی ہوتی ہے جسے توحیدِ افعالی کی نسبت حاصل ہو۔ یہ شخص جب اس دنیا میں جس کو کہ عالمِ غیب کا سایہ اور ظل سمجھتا ہے۔ اعمال افعال ہوتے دیکھتا ہے تو یقیناً اسے وہ تدبیرِ غیبی نظر آ جاتی ہے۔ جو ان سب اعمال افعال کے پیچھے کام کر رہی ہے۔(72)

توحید افعالی کے بعد توحید صفاتی کا مقام آتا ہے۔ اس مقام پر سالک کو کائنات کے ہر وجود، ہر حقیقت اور متنوع مظاہر قدرت میں صرف ایک ہی حقیقت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ قرآن حکیم میں توحید صفاتی کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ o حٰم السجدہ [41:53]

ہم عنقریب انہیں اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں اور خود اُن کی ذاتوں میں دِکھا دیں گے یہاں تک کہ اُن پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہی حق ہے۔ کیا آپ کا رب (آپ کی حقانیت کی تصدیق کے لیے) کافی نہیں ہے کہ وہی ہر چیز پر گواہ (بھی) ہے o

توحید افعالی اور توحیدِ صفاتی میں فرق بیان کرتے ہوئے پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

''توحیدِ افعالی اور توحیدِ صفاتی کا فرق یہ ہے کہ توحیدِ افعالی کے مرحلے میں انسان کائنات کو تو ایک سائے کی مانند دیکھتا ہے۔ لیکن وجودِ حقیقی دکھائی نہیں دیتا جو پسِ پردہ رہتا ہے لیکن توحیدِ صفاتی کے مقام پر وجودِ حقیقی خود منکشف ہونے لگتا ہے اور ہر وجود میں وہی آشکار اور جلوہ گر نظر آنے لگتا ہے۔ ایک ہی حُسن اور ایک ہی ذات جو واجب الوجود ہے ہر شے میں دکھائی دیتی ہے۔''(73)

توحیدِ ذاتی کے مرحلے پر سالک کو ظاہر و باطن کی دنیا میں ہر سو وہی وجود اور وہی حُسنِ مطلق نظر آتا ہے۔ خارج میں بھی وہی جلوہ گر نظر آتا ہے اور باطن میں بھی وہی جلوہ فگن نظر آتا ہے۔ اسے حقیقت مطلق (حسنِ ازلی، ذاتِ حیّ وقیّوم) کے سوا سب فانی نظر آتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

......كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۚ ......o القصص [28:88] اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے o

فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ ۚ البقرہ[2:115]

پس تم جدھر بھی رخ کرو ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے (یعنی ہر سمت ہی اللہ کی ذات جلوہ گر ہے)

بقول میر درد رحمۃ اللہ علیہ ؎

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

اس مقام کے بارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

کرا جوئی چرا در پیچ و تابی؟ کہ او پیدا است تو زیرِ نقابی

تلاشِ او کنی جز خود نہ بینی تلاشِ خود کنی جز او نیابی (74)

تو کسے ڈھونڈتا ہے، کس لیے پیچ و تاب میں ہے؟ وہ (تو) ظاہر ہے (البتہ) تو خود پردے میں ہے۔ (اے انسان، تُو) اسے تلاش کرے (تو) اپنے سوا کچھ اور نہ دیکھے گا۔ اپنے آپ کو تلاش کرے گا (تو) اس کے علاوہ کسی اور کو نہیں پائے گا۔

مراد یہ ہے کہ خدا کو پانا خود کو پانا اور خود کو پانا خدا کو پانا ہے۔ معرفتِ الٰہی سے معرفتِ نفس اور معرفتِ نفس سے معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ راہِ سلوک کی ابتدا میں واجب کا مشاہدہ ہر ممکن وجود سے ہوتا ہے جبکہ توحیدِ ذاتی کے مقام پر واجب کا مشاہدہ ہر ممکن کی نفی سے ہوتا ہے۔ پہلی کیفیت کو تشبیہہ کے اور دوسری کو تنزیہہ کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ مشاہدے میں مقامِ تشبیہہ سے خلاصی پا کر مقامِ تنزیہہ تک پہنچ جانا ہی خود کو پالینا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام اولیاء اس راہ سے گزرتے ہیں گو ان مقامات کی تعبیر میں ان میں آپس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اختلاف لفظی ہے۔ یعنی بیان و اظہار کا اختلاف ہے۔ حقیقت سب کے نزدیک ایک ہی ہے۔ کوئی اسے شہود کا نام دیتا ہے۔ کوئی وجود کا اور اس بنا پر کوئی شہودی مسلک رکھتا ہے اور کوئی وجودی مسلک۔ یہ سب لفظی نزاع ہے۔ حقیقت میں بات ایک ہی ہے۔ (75)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی بات اس طرح سے ارشاد فرمائی ہے ؎

دو عالم میں نہیں موجود و مشہود! بجز ذات و صفات، افعال و آثار

حسنِ ازلی (حسنِ مطلق) تک رسائی کے اور عرفانِ ذات کے بے شمار راستے اور طریقے ہیں۔ اس ضمن میں مرشدِ من حضرت قبلہ فقیر عبدالحمید سروری قادری ارشاد فرماتے ہیں:

''ذات تک پہنچنے اور اسکی معرفت اور پہچان کے بے شمار راستے اور طریقے ہیں اور سب درست اور صحیح ہیں اور اس تک پہنچنے اور اس کی معرفت کے اتنے ہی راستے اور طریقے ہیں' جتنے اس دنیا میں نفوس اور انسان ہیں۔ جس طرح انسانوں کی شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں' اسی طرح اذہان، عقول، احساسات، ادراکات اور شعور بھی مختلف ہیں۔ اور ذات کی معرفت کا ہر ذہنی اور عقلی طریقہ اور راستہ بھی دوسرے سے مختلف ہے۔'' (76)

اس ضمن میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا ہر بندے کے بارے میں تربیت کا ایک خاص معاملہ ہے، اور ہر بندے کے لیے اس کی درگاہ میں جانے کا ایک خاص راستہ ہے جو اس کو عطا کیا گیا ہے''۔ (77)

جب کوئی سالک مرشدِ کامل کی رہنمائی میں راہِ حق پر گامزن ہوتا ہے تو ذکر و فکر، مجاہدہ و ریاضت اور روحانی تعلیم و تربیت کی بدولت اسے خاص ذوقی حالت اور روحانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ جسے نسبت یا روحانی مَلَکہ کہتے ہیں۔ توحید و رسالت کے اقرار، طہارت و پاکیزگی، عشق و وجد اور اطاعتِ الٰہی کی بنا پر ان مَلَکاتِ لطیف کو مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ہمعات'' کے صفحہ نمبر 47 تا 80 پر اس طرح کی سات نسبتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اولیاء سالکین ان ہی میں سے کسی ایک، دو یا زیادہ نسبتوں کی بنیاد پر روحانی سفر

طے کر کے حسنِ مطلق تک رسائی پاتے ہیں۔اقسامِ نسبت درج ذیل ہیں۔ان میں نسبتِ رسالت اور نسبتِ شیخ کا اضافہ بندہ عاجز نے کیا ہے۔

1۔نسبتِ توحید 2۔نسبتِ رسالت 3۔نسبتِ شیخ 4۔نسبتِ سکینہ یا نسبتِ اطاعت

5۔نسبتِ عشق 6۔نسبتِ وجد 7۔نسبتِ طہارت 8۔نسبتِ اویسیہ 9۔نسبتِ یادداشت

جب کوئی سالک صدق اور خلوص سے قرآنِ حکیم کی تلاوت کرے گا، اس کی آیات میں غور وفکر کرے گا اور کلمہ طیبہ کا ذکر کرے گا تو اسے نسبتِ توحید حاصل ہو جائے گی۔تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل اور کثرت سے درود شریف پڑھنے سے نسبتِ رسالت کی نشوونما ہو گی۔ظاہری و باطنی پاکیزگی سے نسبتِ طہارت کی نشوونما ہو گی۔محبت کے تقاضے بجالانے سے نسبتِ عشق اور نسبتِ وجد کی نشوونما ہو گی۔بُعد زمانی یا بُعد مکانی کے باوجود اپنے روحانی مربی و سرپرست سے روحانی رشتہ و تعلق قائم ہونے سے نسبتِ شیخ یا نسبتِ اویسیہ کی نشوونما ہو گی، وعلیٰ ھذا القیاس۔

راہِ سلوک پر جب ذکر وفکر اور ریاضت ومجاہدہ سے فکری ونظری اور ظلماتی ونورانی حجابات دور ہوتے ہیں تو اسے فنائے حسّی وفنائے روحی کہتے ہیں۔فنا کے دروازے سے گزر کر سالک بقا پاتا ہے۔اس تصور کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

دلا بحلقۂ رندان بزمِ عشق درآ — کہ جُرعہ ز شرابِ بقا دہند ترا
اگر بقا طلبی اوّلت فنا باید — کہ تا فنا نہ شوی رہ نمی بری ببقا

ترجمہ:۔اے دل تو بزمِ عشق کے رندوں کے دائرے میں شامل ہو جا، تاکہ وہ تمہیں شرابِ بقا کا ایک گھونٹ دیں۔اگر تو بقا چاہتا ہے تو اس کی پہلی شرط فنا ہے۔اور جب تک تو فنا نہیں ہوگا تجھے بقا کا راستہ نہیں ملے گا۔

بقا کی اس منزل کو قربِ ذات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔قرب کی تین اقسام ہیں؛ قربِ نوافل، قربِ فرائض اور جمع بین القربین۔قربِ نوافل میں مردِ کامل خود کو فاعل کی صورت میں دیکھتا ہے اور ذاتِ حق کو آلۂ فاعل کے مماثل دیکھتا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب سنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تو وہ کبھی زبان کے ذریعے سنواتا ہے اور کبھی مطالعہ کتب کے ذریعے اپنی باتوں کی وضاحت کرتا ہے۔(78)

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ......O اللہ جس کو چاہتا ہے سنواتا ہے۔فاطر[35:22]

حدیثِ قدسی ہے:

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ مَنْ عادىٰ ولِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ وَمَا تَقَرَّبَ اِلَيَّ عَبْدِيْ بِشَيْءٍ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهٗ عَلَيْهِ وَمَا يَزَالُ عَبْدِيْ يَتَقَرَّبُ اِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى اُحِبَّهٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُهٗ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِيْ يَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِيْ يُبْصِرُ بِهٖ وَيَدَهُ الَّتِيْ يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِيْ يَمْشِيْ بِهَا وَ اِنْ سَاَلَنِيْ لَاُعْطِيَنَّهٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِيْ لَاُعِيْذَنَّهٗ وَ مَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ اَنَا فَاعِلُهٗ تَرَدُّدِيْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَ اَنَا اَكْرَهُ مَسَاءَتَهٗ

اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس پر) فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میرا اس سے اعلان جنگ ہے اور جن چیزوں کے ذریعے بندہ مجھ سے نزدیک ہوتا ہے۔ان میں سب سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو جب میں اُسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اُس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اُسکے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے اور میں اُس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اُسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بُری چیز سے بچنا چاہے تو میں اُسے ضرور بچاتا ہوں۔"(79)

علامہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث قدسی کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''وَ كَذٰلِكَ الْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَى الطَّاعَاتِ بَلَغَ اِلَى الْمَقَامِ الَّذِیْ يَقُوْلُ اللّٰهُ كُنْتُ لَهٗ سَمْعاً وَ بَصْراً فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰهِ سَمْعًا لَهٗ سَمِعَ الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَاِذَا صَارَ ذَالِكَ النُّوْرُ بَصَراً لَهٗ رَاىَ الْقَرِيْبَ وَالْبَعِيْدَ وَاِذَا صَارَ ذٰلِكَ النُّوْرُ يَدًا لَهٗ قَدَّرَ عَلَى التَّصَرُّفِ فِى الصَّعْبِ وَالسَّهْلِ وَالْبَعِيْدِ وَالْقَرِيْبِ انتهىٰ''

اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کر لیتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ''کنت لہٗ سمعًا و بصراً'' فرمایا ہے جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک کی آوازوں کو سُن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جائے تو یہ بندہ مشکل اور آسان دور اور قریب چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ (80)

قربِ نوافل کے بعد قربِ فرائض کی منزل آتی ہے۔ قربِ فرائض کے مقام پر مردِ کامل خود کو آلہ فعل کی مانند ظاہر پاتا ہے اور ذاتِ حق کو ہر فعل میں حقیقی فاعل کے روپ میں دیکھتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو قربِ فرائض حاصل تھا۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَلْحَقُّ يَنْطِقُ عَلٰى لِسَانِ عُمَرَ ذاتِ حق زبانِ عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے کلام کرتی ہے۔ (81)

قربِ نوافل کے مقام پر تمثیلاً بیان ہوا کہ میں بندۂ مومن کے کان بن جاتا ہوں لیکن سنتا وہ خود ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں لیکن دیکھتا وہ خود ہے۔ میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں لیکن پکڑتا وہ خود ہے۔ لیکن قربِ فرائض میں بیان ہوا کہ زبان تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہے مگر متکلم ذاتِ حق ہے۔

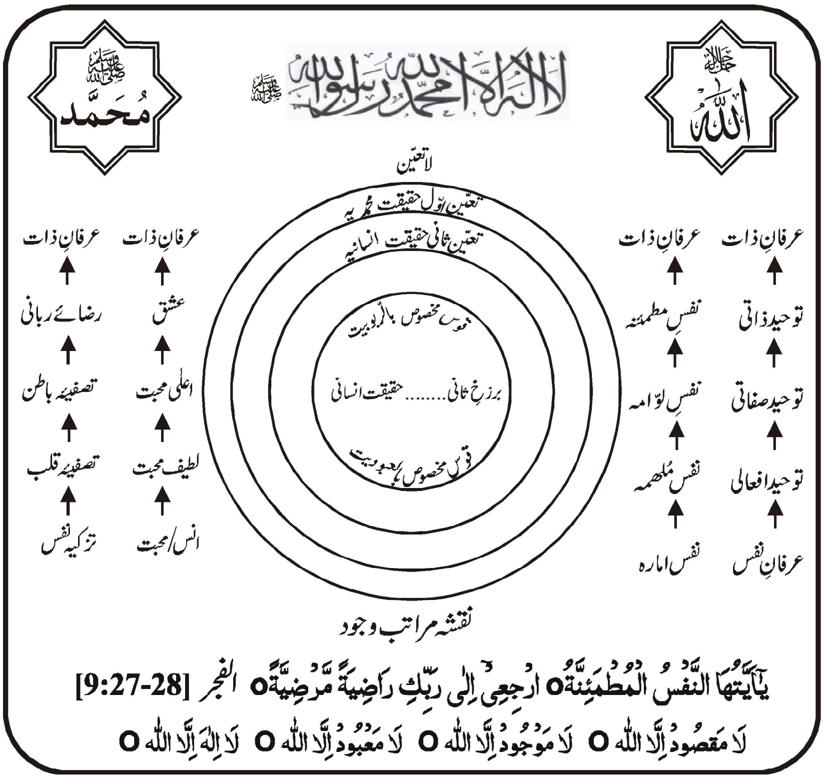

'جمع بین القربین' کے مقام پر بندۂ مومن فنا کے دروازے سے گزر کر بقاء کی منزل کو پالیتا ہے اور تعینات کے سب پردے چاک ہو جاتے ہیں۔ اسے مقامِ خودی، مقامِ انا یا مقامِ ھوّیت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر بندۂ مومن نہ تو خود کو آلہ فعل کی مانند پاتا ہے اور نہ ہی فاعل کی مانند۔ اس کا ظاہر و باطن فاعلیت کے لحاظ سے بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس مقام کا اس طرح سے ذکر ہوا ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ......الانفال[8:17]

وہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں، جب آپ نے پھینکی تھیں۔لیکن وہ تو اللہ نے پھینکی تھیں۔

''وَمَا رَمَيْتَ ''(وہ کنکریاں آپ نے نہیں پھینکیں) میں حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے فعل کی نفی کی گئی ہے۔(قربِ فرائض)

''اِذْ رَمَيْتَ ''(جوآپ نے ماری تھیں) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نسبت فعل کا اثبات ہے۔(قربِ نوافل)

''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ''(بلکہ وہ تو اللہ نے ماری تھیں) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر نہ تو آلۂ فعل کی صورت میں ہے اور نہ فاعل کی صورت میں بلکہ فعل اور فاعل دونوں جہتوں سے نسبتِ فعل ذاتِ حق کی طرف کی گئی ہے۔یہی ''جمع بین القربین'' کا مقام ہے۔(82)

عرفانِ ذات کے مذکورہ بالاتمام مراحل کو ''نقشہ مراتب وجود'' کی مدد سے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

حیات ومماتِ مردِ مومن:۔ عبادت کے معنی پامالی کے ہیں۔عبدِ مقرب اپنی انانیت اورصفاتِ بشریّت کو اپنے رب کی بارگاہ میں پامال یعنی ریاضت ومجاہدہ کے ذریعے ان کو فنا کر دیتا ہے تو بندے میں اس کی اپنی صفاتِ عبدیّت کے بجائے صفاتِ حق متجلّی ہوتی ہیں اور انوار صفاتِ الٰہیہ سے وہ بندہ منور ہوجاتا ہے۔آیت کریمہ ''وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ'' کے حکم کے مصداق خدا کا یہ مقرب بندہ مظہرِ خدا ہوکر کمالِ انسانیت کے اس مرتبہ پر فائز ہوتا ہے جس کے لیے اس کی تخلیق ہوئی ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نُور کے جلوے،عبدِ مقرب کے ہاتھ پاؤں، دل اور دماغ میں ظاہر ہوجاتے ہیں تو وہ عطا ہونے والے خصوصی ادراک،علم، سمع اور بصر کی بدولت ہر آسان اور ہر مشکل کام پر قادر ہوجاتا ہے اور دور و بعید کی چیز پر اُسے قدرت حاصل ہوجاتی ہے۔ایسے مردِ مومن کو یہ قدرت اور کمال بعد از وصال بھی حاصل رہتا ہے کیونکہ انسان کی اصل حقیقت روح ہے۔روح اور اس کی صفات و کمالات باقی رہتے ہیں۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صحابی رسول نے ایک قبر پر اپنا خیمہ نصب کیا لیکن ان کو اس جگہ قبر ہونے کا علم نہ تھا۔کچھ دیر کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں کسی انسان کی قبر ہے اور اُس میں سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز آرہی ہے۔جب وہ صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام واقعہ بیان کیا۔حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا سورۂ ملک روکنے والی اور نجات دینے والی ہے اپنے پڑھنے والے کو عذاب قبر سے۔

اگر مرنے کے بعد قبر میں کوئی چیز باقی نہ ہوتی تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُس صحابی سے فرماتے کہ بھئی یہ تمہارا وہم ہے یا فرماتے کہ کوئی فرشتہ ہوگا یا کوئی جن تلاوت کررہا ہوگا قبر میں مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا۔لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسا نہیں فرمایا اور کوئی تردید نہیں فرمائی۔

دورِ صحابہ کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دَور میں مکہ اور مدینہ کے درمیان نہر کھودی گئی۔تو اتفاقاً وہ نہر اسی راستے سے آئی جس میں اُحد کا قبرستان آتا تھا۔مزدور کام کررہے تھے۔ایک مزدور نے کھدائی کرتے ہوئے زمین میں پھاوڑا مارا تو اتفاقاً وہیں ایک شہید دفن تھا۔تو وہ پھاوڑا اُس کے پاؤں کے انگوٹھے میں جا لگا اور خون جاری ہوگیا۔یہ تو قبر میں حیاتِ جسمانی کی دلیل ہے کہ مرنے کے بعد اُن کے جسم میں بھی زندگی موجود ہے اور چہ جائیکہ رُوح جو ہے ہی باقی۔

زمانہ تابعین کا ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔امام ابونعیم ''حلیۃ الاولیاء'' میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت نقل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کی قسم! میں نے اور حمید طویل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ کو لحد میں اُتارا تھا۔جب ہم کچی اینٹیں برابر کر چکے تو ایک اینٹ گر گئی۔میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔وہ دعا کیا کرتے تھے۔اے اللہ اگر تو نے کسی مخلوق کو قبر میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے تو مجھے بھی اجازت فرما۔اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کو رد فرمادے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ شعب الایمان میں اپنی سند سے قاضی نیشاپور ابراہیم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک صالح عورت کا انتقال ہوگیا۔ایک کفن چور اس کے جنازہ کی نماز میں اس غرض سے شامل ہوگیا تاکہ ساتھ جاکر اس کی قبر کا پتہ لگائے۔جب رات ہوگئی تو وہ

قبرستان میں گیا اور اُس عورت کی قبر کھود کر کفن کو ہاتھ ڈالا تو وہ خدا کی بندی بول اُٹھی کہ سبحان اللہ! ایک جنتی شخص ایک جنتی عورت کا کفن چُراتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری اور ان تمام لوگوں کی مغفرت فرما دی۔ جنہوں نے میرے جنازے کی نماز پڑھی اور تو بھی اُن میں شریک تھا۔ یہ سُن کر اُس نے فوراً قبر پر مٹی ڈال دی اور سچے دل سے تائب ہو گیا۔

پس ولیوں کا تو یہ حال ہے کہ چور جائے اور ولی بن کر آئے۔ اَب کوئی کہے کہ مرنے کے بعد اُن کی کوئی روحانی طاقت نہیں تو یہ سراسر غلط ہے کیونکہ رُوح تو اپنے لوازمات کے ساتھ باقی ہے۔(83)

عبادالصالحین کا نہ صرف دنیا میں بلکہ آخرت میں بھی فائدہ ہوگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

''میری امت کے علماء، حفّاظ اور شہداء شفاعت کریں گے۔ حتیٰ کہ ایک بچہ بھی جس کے والدین مومن ہوں وہ ان کیلئے سفارش کریگا''۔

قیامت کے روز لوگ شفاعت کی درخواست لے کر حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے پاس علی الترتیب حاضر ہوں گے۔ یہ سب انبیاء انہیں فرمائیں گے۔'' **نفسی نفسی اِذھبو اِلیٰ غیری**''۔ ان کے حسبِ ہدایت بالآخر سب حضور نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شفاعت فرمائیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شفاعت قبول ہوگی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد تمام انبیاء واولیاء اور مؤمنین کو شفاعت کی اجازت مرحمت ہو جائے گی۔ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا شرک نہیں۔ اسی لیے تو انبیاء'' **نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْھَبُوْ اِلَی غَیْرِیْ**'' فرمائیں گے۔ اولیاء کرام نہ خدا کے شریک ہیں نہ ساجھی ہیں۔ وہ تو خدا تعالیٰ کے اذن اور حکم کے تابع ہیں۔

مندرجہ بالا گزارشات کا حاصل یہ ہے کہ مقام خودی پر فائز ہونے والے مردِ کامل کو وہ زندگی عطا ہوتی ہے کہ موت نہ اسے فنا کر سکتی ہے اور نہ اس کے کمالات کو۔ اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا فیضِ روحانی، لطف وکرم اور توجہاتِ باطنی کا سلسلہ اسی طرح قائم ودائم ہوتا ہے جس طرح اس کی زندگی میں تھا۔ کائناتِ ارض وسماء اپنی تمام تر وسعتوں سمیت اس کے تابع کر دی جاتی ہے اور تحت الثریٰ سے عرشِ معلّٰی تک پوری کائنات اس کی پیروی کرنے لگتی ہے۔ ذاتِ حق اسے سراسر پیکرِ نور بنا دیتی ہے اور انسانیت کے لیے پناہ گاہ اور امن وعافیت کا منبع بن جاتا ہے۔(84)

غوث الاعظم پیران پیر دستگیر قدس سرہٗ العزیز نے قصیدہ غوثیہ میں غوثیت اور محبوبیت کے اسی سب سے اعلیٰ اور ارفع مقام کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

قَصِیْدَہْ غَوْثِیَہْ

سَقَانِی الْحُبُّ کَاْسَاتِ الْوَصَالِ   فَقُلْتُ لِخَمْرَتِیْ نَحْوِیْ تَعَالِ

محبت نے مجھے وصلِ محبوب کے پیالے پلائے۔ پس میں نے اپنی شراب سے کہا کہ میری طرف آجا۔

سَعَتْ وَمَشَتْ لِنَحْوِیْ فِیْ کُئُوسٍ   فَھِمْتُ بِسُکْرَتِیْ بَیْنَ الْمَوَالِیْ

پس وہ شراب پیالوں کے اندر میری طرف دوڑتی ہوئی آئی۔ پس میں نے اپنی مستی سے اپنے دوستوں کے اندر اثر کیا۔

فَقُلْتُ لِسَآئِرِ الْاَقْطَابِ لُمُّوْا   بِحَانِیْ وَادْخُلُوْا اَنْتُمْ رِجَالِیْ

پس میں نے غوث کی حیثیت میں تمام اقطاب جہان سے خطاب کیا کہ تیاری کرو اور میرے رجال الغیب اور لشکر بن کر میرے صحن میں داخل ہو جاؤ۔

وَھُمُّوْا وَاشْرَبُوْا اَنْتُمْ جُنُوْدِیْ   فَسَاقِی الْقَوْمِ بِالْوَافِیْ مَلَالِیْ

اَے میرے سپاہیو! ہمّت کر کے آگے آؤ اور شراب کے دَور میں شامل ہو جاؤ کیونکہ اِسلام کا سَاقی مجھے شرابِ معرفت فراواں طور پر دے رہا ہے۔

شَرِبْتُمْ فُضْلَتِیْ مِنْ بَعْدِ سُکْرِیْ   وَلَا نِلْتُمْ عُلُوِّیْ وَاتِّصَالِیْ

میرا نشہ ہو جانے کے بعد تم نے میری بچی ہوئی شراب پی لی۔ لیکن میرے رُتبۂ بلند اور قرب و اتصال کو نہیں پہنچ سکے۔

مَقَامُکُمُ الْعُلٰے جَمْعًا وَّلٰکِنْ　　مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَّازَالَ عَالِ

تم سب کے باطنی مرتبے بیشک بلند ہیں لیکن میرا مقام تم سب کے اُوپر ہے اور ہمیشہ اُوپر رہے گا

اَنَا فِی حَضْرَتِ التَّقْرِیْبِ وَحْدِیْ　　یُصَرِّفُنِیْ وَ حَسْبِیْ ذُوالْجَلَالِ

میں اللہ تعالیٰ کے حضور اور قرب میں یگانہ اور فرد ہوں۔ وہ مجھے ایک حال سے دوسرے حال میں پھیرتا ہے اور اُسی کی ذات میرے لیے کافی ہے۔

اَنَا الْبَازِیُّ اَشْهَبُ کُلِّ شَیْخٍ　　وَ مَنْ ذَا فِی الرِّجَالُ اُعْطِیْ مِثَالِیْ

میں دُنیا کے تمام مشائخ کے اندر سفید باز کی مانند ہوں۔ مردانِ خُدا اور اولیاءاللہ میں وہ کون ہے جسے میری مثل رُتبہ عطا کیا گیا ہو۔

کَسَانِیْ خِلْعَةً بِطَرَازِ عَزْمٍ　　وَ تَوَّجَنِیْ بِتِیْجَانِ الْکَمَالِ

اللہ تعالیٰ نے مجھے ولایت کی وہ خلعت پہنائی جس پر عزیمت کے بیل بوٹے ہیں۔ اور میرے سر پر کمال کا تاج رکھا۔

وَ اَطْلَعَنِیْ عَلٰے سِرٍّ قَدِیْمٍ　　وَ قَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے قدیم اسرارِ ازلی سے واقف فرمایا ہے اور مجھے نشانِ عزت سے مختص فرما کر میری ہر آرزو پوری فرمائی۔

وَ وَلَّانِیْ عَلَے الْاَقْطَابِ جَمْعًا　　وَحُکْمِیْ نَافِذٌ فِیْ کُلِّ حَالِ

مجھے اللہ تعالیٰ نے تمام اقطابِ زماں کا والی اور سردار بنایا۔ اور میرا یہ حکم ماضی مستقبل اور حال میں جاری رہے گا۔

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ بِحَارٍ　　لَصَارَالْکُلُّ غَوْرًا فِی الزَّوَالِیْ

پس اگر میں اُس سرِّ قدیم کو سمندروں پر ظاہر کردوں تو سب کے سب خشک ہو کر زائل ہو جائیں۔

فَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فِیْ جِبَالٍ　　لَدُکَّتْ وَاخْتَفَتْ بَیْنَ الرِّمَالِ

اور اگر میں اپنا راز پہاڑوں پر ظاہر کروں تو وہ کمال حیرت سے ٹکڑے ٹکڑے اور ذرّے ذرّے ہو جائیں۔

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ نَارٍ　　لَخَمِدَتْ وَانْطَفَتْ مِنْ سِرِّ حَالِیْ

اگر میں اپنا راز آگ پر ظاہر کردوں تو وہ میرے حال کے بھید سے ٹھنڈی اور نابُود ہو جائے۔

وَلَوْ اَلْقَیْتُ سِرِّیْ فَوْقَ مَیْتٍ　　لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰے تَعَالِ

اور اگر میں اپنا بھید مردہ لاش پر ڈال دوں تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جائے۔

وَمَا مِنْهَا شُهُوْرٌ اَوْدُهُوْرٌ　　تَمُرُّ وَتَنْقَضِیْ اِلَّا اَتَالِیْ!

ہر مہینہ اور ہر زمانہ جو دنیا میں گزرنے کے لیے آتا ہے۔ وہ واقع ہونے سے پہلے میرے پاس آتا ہے۔

وَ تُخْبِرُنِیْ بِمَا یَاْتِیْ وَ یَجْرِیْ　　وَ تُعَلِّمُنِیْ فَاَقْصِرْ عَنْ جِدَالِ

اور جو کچھ واقع اور جاری ہوتا ہے اس کی مجھے خبر اور اطلاع دیتے ہیں۔ یہ علم خاصہ غیبی مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے اَے نادان! ظاہر بین! تو اس معاملے میں میرے ساتھ جھگڑا کرنے سے باز آ جا۔

مُرِیْدِیْ هِمْ وَطِبْ وَاشْطَحْ وَغَنِّیْ　　وَ اِفْعَلْ مَا تَشَآءُ فَالْاِسْمُ عَالِ

اے میرے مرید! بلند ہمت ہو اور خوش، بے باک اور مستغنی رہ۔ اور جو تیرا جی چاہے کر۔ میرا نام بہت بڑا ہے۔

مُرِیْدِیْ لَاتَخَفْ اَللّٰهُ رَبِّیْ　　عَطَانِیْ رِفْعَةً نِلْتُ الْمُنٰی لِیْ

اے میرے مرید! خوف نہ کر، اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس نے مجھے بلند رُتبہ دیا ہے اور میں نے سب کچھ حاصل کر لیا ہے۔

طُبُوْلِیْ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ دُقَّتْ　　فِیْ وَشَآءُسُ السَّعَادَةِ قَدْ بَدَالِیْ

میری شہرت کے نقارے آسمانوں اور زمین کے اندر بج چکے ہیں۔ اور سعادت کے نقیب میرے آگے پوشاپوش کرتے جارہے ہیں۔

بِلَادُ اللّٰہِ مُلْکِیْ تَحْتَ حُکْمِیْ وَ وَقْتِیْ قَبْلِیْ قَدْ صَفَالِیْ

اللہ تعالیٰ کے تمام شہر میری مملکت اور میرے حکم کے تابع ہیں اور میرا وقت اور حال میرے سے بھی پہلے صاف کردیا گیا ہے۔

نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا کَخَرْدَلَۃٍ عَلٰی حُکْمِ التِّصَالِ

میں نے اللہ تعالیٰ کے تمام ممالک کی طرف جب دیکھا تو وہ سب ملے جلے مجھے ایک رائی کے دانے کے برابر معلوم ہوئے۔

وَکُلُّ وَلِیٍّ لَّہٗ قَدَمٌ وَّاِنِّیْ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیْ بَدْرِالْکَمَالِ

ہر ولی کا قدم کسی نبی کے قدم پر ہوا کرتا ہے۔ پر میرا قدم جدّ پاک حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کے قدم پر ہے۔

مُرِیْدِیْ لَا تَخَفْ وَاشٍ فَاِنِّیْ عَزُوْمٌ قَاتِلٌ عِنْدَ الْقِتَالِ

اے میرے مرید! تو کسی بدخواہ دشمن سے خوف نہ کر کیونکہ میں لڑائی کے وقت بہت باہمت اولوالعزم قاتل ہوں۔

اَنَا الْجِیْلِیُّ مُحْیِ الدِّیْنِ اِسْمِیْ وَاَعْلَامِیْ عَلٰی رَأْسِ الْجِبَالِ

میں جیلان کا رہنے والا ہوں اور محی الدین میرا لقب ہے اور میری رفعت کے جھنڈے پہاڑوں کی چوٹیوں پر لہرا رہے ہیں۔

اَنَا الْحَسَنِیُّ وَالْمَخْدَعُ مَقَامِیْ وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

میں حضرت امام حسنؓ کی اولاد سے ہوں اور میرا باطنی مقام مخدع ہے۔ اور میرا قدم تمام اولیاء اللہ اوّلین وآخرین کی گردنوں پر ہے۔

وَعَبْدُ الْقَادِرِ الْمَشْھُوْرُ اِسْمِیْ وَجَدِّیْ صَاحِبُ الْعَیْنِ الْکَمَالِ

اور عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ میرا مشہور نام ہے اور میرے جدّ پاک صاحبِ عین الکمال ہیں۔

حُسنِ ازلی (حسنِ حقیقی، ذاتِ باری تعالیٰ) سے وصل کے لیے بزرگانِ دین نے طالبین کے لیے ایک کورس مقرر کیا ہے جسے فنِ روحانیت میں 'سلوک' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سلوک ایک باقاعدہ علم (Science) بھی ہے اور فن (Art) بھی ہے۔ اس کے لیے بزرگانِ دین نے نصابِ تصوف تجویز فرمایا ہے۔ اس روحانی سفر کے دوران فنا وبقا کے مراحل کو درج ذیل خاکہ کی مدد سے مزید بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا خاکہ کی وضاحت کرتے ہوئے کپتان واحد بخش سیال رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ سالک یعنی طالب حق مقام الف سے اپنا سفر شروع کرتا ہے اور پہلے مقام ج تک جاتا ہے۔ مقام الف سالک کی ابتدائی حالت ہے اور مقام ج مطلوب کو ظاہر کرتا ہے۔ چنانچہ الف سے ج تک کے سفر کا نام سیر الی اللہ ہے۔ یہاں پہنچ کر طالب فانی فی اللہ ہوجاتا ہے اور سیر فی اللہ کا آغاز کرتا ہے۔ اب چونکہ ذات کی کوئی انتہا نہیں اس لیے فنائیت فی اللہ کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اس مقام پر سالک اپنی ہستی گم کردیتا ہے۔ سوائے اللہ کے کچھ باقی نہیں رہتا۔

تو مباش اصلاً کمال ایں است و بس تو ز خود گم شو وصال ایں ست و بس (عطارؔ)

یہی کمال ہے تیرا کہ تو عدم ہوجا۔ یہی وصال ہے تو خود میں گم ہوجا۔

حدیث پاک میں اسی فنائیت فی صفات اللہ کی جانب اشارہ ہے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے:

موتو اقبل ان تموتوا۔ مرجاؤ مرنے سے پہلے۔

Lose Yourself To Save Yourself (گم کرواپنے آپ کو بچانے کے لیے اپنے کو) سے بھی یہی فنائیتِ نفس مراد ہے۔

بعثتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور نزولِ قرآن سے پہلے تمام مذاہب مثلاً ہندو دھرم، بدھ مت اور عیسائیت وغیرہ میں یہی مقام یعنی فنائیت فی اللہ سب سے بلند ترین مقام تصوّر رہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان مذاہب کے پیروؤں کے لیے پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا جنگلوں میں بیٹھ کر گیان دھیان میں مست ہو جانا کمال انسانی سمجھا جاتا تھا۔ وہ منزل جس کی طرف انسانیت رفتہ رفتہ بڑھ رہی تھی اِسلام نے آ کر اس کی طرف رہنمائی کر دی اور ...... اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي ...... المائدہ [5:3] کا اعلان کر کے انسان کو ترقی کی سب سے بلند ترین منزل دکھا دی۔ وہ منزل کیا؟ وہ منزل فنائیت کی محویت اور استغراق سے نکل کر ہوش میں آنا، ازسرِ نو مقامِ دوئی اختیار کرنا اور متّصف بصفات اللہ ہو کر دُنیا کے کاموں میں مشغول ہونا اور منصبِ خلافت انجام دینا ہے۔

مندرجہ بالا شکل میں مقام جؔ سے جو محویت و مستی کا مقام ہے نکل کر سالک مقام دؔ سے ہوتا ہوا پھر مقام الفؔ پر پہنچتا ہے۔ جؔ سے الفؔ تک کے سفر کو سیر مَعَ اللہ، سیر باللہ اور سیر من اللہ کہتے ہیں اور جب فنائیت سے گزر کر ازسرِ نو طالب الفؔ پر پہنچتا ہے تو یہ مقام بقا باللہ اور عبدیت کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر سالک کے اندر دونوں کیفیات موجود ہوتی ہیں واصلِ حق اور فنا فی اللہ بھی ہوتا ہے، اور دوئی اور ہوشیاری میں ہوتے ہوئے شہود و شاہد و مشہود کے مزے بھی اُڑاتا ہے۔ اس مقام کو جمع الجمع اور فرق بعد الجمع بھی کہتے ہیں۔ یہ بہت بلند مقام ہے بلکہ انسانی ترقی کی آخری منزل ہے۔ اس کے آگے حیاتِ انسانی کے لیے کوئی مقام اور کوئی منزل نہیں۔

مقامِ عبدیت مقامِ فنا سے اعلیٰ وارفع ہے۔ یہی مقصدِ حیات ہے اور مذہبِ اسلام اور انسانیت کی یہی غرض و غایت ہے۔ جب آخری منزل کی راہ نمائی ہو گئی تو انبیاء علیہم السلام کا آنا بند ہو گا یہی وجہ ہے کہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسّلام آخری نبی ہیں۔ اب نہ نبی آنے کی ضرورت ہے نہ آئیں گے۔

عبدیت آپ ؐ کا خاص مقام ہے۔ جہاں حضرت آدم علیہ السّلام کو اللہ نے صفی اللہ، حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خلیل اللہ، موسیٰ علیہ السّلام کو کلیم اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام کو رُوح اللہ کا لقب عطا فرمایا ہے۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدہٗ ورسولہٗ کے شرف سے مشرف فرمایا ہے۔ کیونکہ عبدیت ہی کمالِ انسانی ہے اور بلند ترین منزل ہے۔ آیۂ مقدسہ سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرَىٰ بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى۔ الاسراء [17:1] میں لفظ عبدہٖ سے یہ مراد ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج حالتِ فنائیت، سُکر اور استغراق فی الذات میں نہیں ہوئی جو دائرہ مذکور میں مقام جؔ کا خاصہ ہے۔ بلکہ آپ ؐ کو یہ معراج مقامِ عبدیت و بقا باللہ۔ ہوشیاری اور حالتِ تمکین میں ہوئی ہے اور یہ بہت بڑی چیز ہے۔ کیونکہ مقام جؔ پر وصال تو باقی اولیاء کرام کو بھی نصیب ہوتا ہے۔ مقام الفؔ پر اور جسم انسانی کے ساتھ معراج صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے۔ انسانی جسم کے ساتھ حالت صحو و ہوشیاری میں اللہ تعالیٰ کے قریب پہنچنا بہت ہی بڑا مرتبہ ہے جس کا حامل کوئی نہیں ہو سکتا سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ یہ کمالِ ظرف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگ حیران ہوتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کر اتنی تھوڑی سی دیر میں اتنی بلندی پر پہنچ گئے۔ حالانکہ اتنی بلندی پر جانا حیرت کی بات نہیں ہے۔ حیرت یہ ہے کہ آپ اس قدر بلندی پر جا کر اتنی جلدی کس طرح واپس آ گئے۔ انتہائی عروج سے ایک دم انتہائی مقامِ نزول پر آنا وسعتِ ظرف ہی کا کمال ہے۔

صوفیہ کے نزدیک دنیا کا مفہوم:۔ اسلام میں دنیوی کاروبار کو مستعدی، محنت اور تندہی سے کرنے کا حکم ہے۔ کاہلی کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ کسب، بال بچوں کی پرورش، قرابت داروں کی امداد، یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی نگہبانی اور رزقِ حلال پر اسلامی تعلیمات میں بہت زور دیا گیا ہے۔ مال و دولت کمانا اور دنیوی امور میں ترقی حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ صحابہ کرامؓ اور بے شمار اولیاء کرام کا یہی مسلک رہا ہے۔ اسلام میں کاروبار ممنوع نہیں لیکن یہ سب کام ایک نقطۂ نگاہ سے کرنے چاہئیں وہ یہ کہ ہر کام کی غرض و غایت وصول الی اللہ ہو۔ سب کام اُسی ایک مقصد کے تحت کرنے چاہئیں، سب مقاصد کی غرض و غایت الغایات وہی ایک مقصد ہونا چاہیے۔ یہ جو حدیث شریف میں ہے:

اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُھَا کِلَابٌ دُنیا مردار ہے اور اسکے طالب کتّے ہیں۔

اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو دنیوی کاروبار میں طالبِ دُنیا نہیں ہونا چاہیے بلکہ سب کام طلبِ مولا اور رضائے مولا کی خاطر کرنے چاہئیں۔ جو شخص سعودی عرب جانے کے لیے ہوائی جہاز میں نشست حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ دراصل طالبِ ہوائی جہاز نہیں ہے بلکہ طالبِ سعودی عرب ہے۔ ہوائی جہاز تو سعودی عرب پہنچنے کا فقط ایک ذریعہ ہے۔ اِسی طرح دُنیا کے کاروبار اِس نیّت سے کرنے چاہئیں کہ ان کے حصول سے اصلی اور حقیقی مطلب حاصل ہو۔ حضرت مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل اشعار میں اس مضمون کی خوب وضاحت فرمائی ہے ؎

چیست دُنیا از خُدا غافل بُدن   نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
آب درکشتی ہلاکِ کشتی است   آب اندر زیرِ کشتی پشتی است

(رومی رحمۃ اللہ علیہ)

یعنی وہ دنیا جسے مذموم کہا گیا ہے کیا ہے؟ صرف خُدا سے غفلت کا نام ہے۔ نہ سونا ہے نہ چاندی ہے اور نہ بیوی بچے ہیں۔ دُنیا کو پانی اور قلب اِنسانی کو کشتی کی مثال دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ اگر دُنیا اِنسان کے دل کے اندر داخل ہو جائے تو آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر دُنیا کا سہارا لے کر یعنی اس کو ذریعہ بنا کر حقیقی مقصود حاصل کیا جائے تو اس میں نجات ہے۔ اس لیے دنیا کے تمام کام مثلاً سیاست کے ذریعہ ملک میں حکومت قائم کرنا، فوج رکھنا، صنعتی ترقی کرنا، کھیتی باڑی کرنا، سائنس کی ایجادات کے ذریعہ انسان کی مشکلات حل کرنا سب کی غایت یہی ہے کہ لوگ فارغ البال ہو کر اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں اور اس کی معرفت حاصل کریں کیونکہ معرفت اور ذکر اللہ رُوح کی غذا ہے۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ؕ رعد[13:28]۔ سُن لو اللہ کے ذکر ہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

کس قدر ظلم اور جہالت ہے کہ جسم کے لیے جو بمنزلہ گھوڑے کے ہے، خوراک مہیا کرنے کی خاطر تو انسان اپنی ساری عمر صرف کر دے اور رُوح کے لیے جو بمنزلہ سوار کے ہے کچھ بھی نہ کرے۔ اگر آپ کے یہاں کوئی مہمان آئے جس کے ساتھ سواری کے لیے گھوڑا بھی ہو اور آپ گھوڑے کے لیے تو گھاس مہیا کر دیں لیکن مہمان کے لیے کوئی بندوبست نہ کریں تو کیا آپ کی عقل صحیح سمجھی جائے گی؟

آج کل بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنے آپ کو خلافتِ الٰہیہ کا حامل سمجھ کر حکومتِ الٰہیہ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ان کو جاننا چاہیے کہ آدمی منصبِ خلافتِ الٰہیہ کے اس وقت تک قابل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خودی اور نفس کو مغلوب کر کے مقامِ فنا فی اللہ حاصل نہ کرے۔ اور فنائیت فی اللہ حاصل کر کے حدیث پاک "بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ" کے مطابق متصف بصفات اللہ نہ ہو اور مقام بقا باللہ اور عبدیت حاصل نہ کرے۔ کیونکہ اس مقام پر پہنچے بغیر وہ نُور حاصل نہیں ہوتا۔ جس سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ممبر پر کھڑے کھڑے دُور دراز مقام پر "یَاسَارِیَۃُ الْجَبَلْ" (اے ساریہؓ پہاڑ کی طرف) کا نعرہ لگا کر اپنے فوجی جرنیل کو جنگی ہدایت دی۔ لہٰذا ہر بوالہوس کو شایاں نہیں کہ وہ اپنے آپ کو منصب خلافتِ الٰہیہ کے قابل سمجھے۔ کس قدر بوالعجبی ہے کہ ایک طرف تو لوگ خلافتِ الٰہیہ کا دعویٰ کرتے ہیں، اور دوسری طرف منصبِ خلافت کے حصول کے یعنی سلوک، رُوحانیت و تصوّف اور رشد و ارشاد کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہی ان کے کھوکھلے پن کی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا قرب اور حقائق اور معارف حاصل کرنے کے لیے وسیلۂ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد وسیلہ مرشد ضروری ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ؕ التوبہ[9:119]۔ صادقین کا قرب حاصل کرو۔

صادق اُسے کہتے ہیں جو صادق الحال ہو۔ جس کا قال کچھ اور حال کچھ ہو وہ صادق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے صادقین سے مراد اولیاء کرام ہی ہیں جو حدیث شریف بِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ کے مُطابق اللہ کے کانوں سے سُنتے ہیں اور اللہ کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ کا صرف علم الیقین نہیں بلکہ حق الیقین رکھتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ علم کی تین قسمیں ہیں: اول علم الیقین،

دوم عین الیقین اور سوم حق الیقین۔

علم الیقین یہ ہے کہ آپ کو کوئی بتائے کہ آگ جلاتی ہے۔ عین الیقین یہ ہے کہ آپ کسی چیز کو آگ میں جلتا ہوا دیکھ لیں اور حق الیقین یہ ہے کہ آپ آگ کے اندر ہاتھ ڈال کر دیکھ لیں کہ واقعی جلاتی ہے۔ لوہے کو دیکھیں جب آگ میں جاتا ہے تو وہ بالصورت اور بالسیرت آگ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق بھی حق الیقین یہی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی آدمی اپنی ہستی کو اللہ کی ذات میں بالکل گم کر دیتا ہے۔ (86)

علمِ تصوف اور اس کے حصول کے لیے ضرورتِ شیخ سے آگاہ ہونے کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ مرشدِ کامل کس طرح اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔ تصوف کی زبان میں روحانی سفر کو سلوک الی اللہ کہتے ہیں۔ مرشدِ کامل، مریدِ صادق کو سلوک الی اللہ طے کراتے ہیں۔ وہ مرید کی روحانی و اخلاقی تعلیم و تربیت کے لیے اسے تصوف کی تعلیم دیتے ہیں اور اس علم کے مطابق تربیت کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ علمِ تصوف میں روحانی تعلیم و تربیت میں لطائف ستہ کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔ لطائفِ ستہ سے مراد انسان کے جسم کے اندر موجود چھ رُوحانی مراکز ہیں۔ مرشدِ من حضرت قبلہ فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ نے عرفان حصہ اول کے صفحہ نمبر 198 پر ان لطائف کا اس طرح سے ذکر فرمایا ہے:

اسمِ تصوّر	ذکر	رنگ	مقام	حال	سیر	عالم	نام لطیفہ	نام مقام
اللّٰہ	لا اله الاالله محمد رسول الله	نیلا	شریعت	میل	الی اللّٰہ	ناسُوت	نفس	مقامِ اوّل
لِلّٰہ	لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ	زرد	طریقت	محبت	لِلّٰہ	ملکُوت	قلب	مقامِ دوم
له	یا الله	سُرخ	حقیقت	عِشق	عَلَی اللّٰہ	جبروت یا حقیقت محمدیؐ	رُوح	مقامِ سوم
ھُو	یا حیّ یا قیّوم	سفید	معرفت	وصل	مَعَ اللّٰہ	لاہُوت	سِرّ	مقامِ چہارم
محمّدؐ	یا واحد	سبز	مقامِ منتہیٰ	فنا	فِی اللّٰہ	یاہُوت	خفی	مقامِ پنجم
فقر	یا احد	بنفشی	بازشرعیت	حیرت	عِن اللّٰہ	یاہُوت	اَخفیٰ	مقامِ ششم
اللّٰہ محمّد	یا هو	بے رنگ	مقامِ جمع الجمع	بقا	باللّٰہ	ہُوِیَّت	اَنا	مقامِ ہفتم

مشائخ متقدمین نے سلوک باطنی کے ان لطائف میں سے ہر لطیفے کا علیحدہ عالم، الگ مقام، جُدا حال اور مختلف ذکر وغیرہ مقرر فرمائے ہیں۔ اسم 'اللہ' لطیفہ نفس کے لیے مخصوص ہے اور اس کا عالم ناسوت، مقام شریعت اور سیر الی اللہ ہے۔ دوم اسم 'لِلّٰہ' لطیفۂ قلب کے لیے مخصوص ہے اور مقام اس کا طریقت، عالم ملکوت اور سیر 'لِلّٰہ' ہے۔ سوم اسم 'لہٗ' کا لطیفہ روح ہے اور مقام حقیقت، عالم اس کا جبروت اور سیر علَی اللہ ہے۔ چوتھا اسم ھُوْ ہے جس کا لطیفہ سِر ہے اور مقام اس کا معرفت اور عالم لاہوت اور سیر مَعَ اللہ ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس۔

بندۂ عاجز کے مطالعہ و تحقیق کے مطابق بعض مسالک ان لطائف سے منسوب رنگوں کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک دو لطائف کے مقام کے بارے میں بھی اختلافات نظر آتے ہیں۔ یہ اختلافات، اختلافِ مشاہدہ کی وجہ سے ہیں۔ دراصل بدن کے اندر اور بھی بہت سے لطائف ہیں۔ بہت سے ان میں سے ریڑھ کی ہڈی اور اردگرد کے مقامات میں ہیں اور باقی تمام بدن میں۔ (87)

آکوپنکچر طریقہ علاج میں انہی مقامات سے متعلق انرجی پوائنٹس کو سوئیوں کی مدد سے متحرک کر کے جسمانی امراض کا علاج کیا جاتا ہے۔ اس لیے مراقبہ میں اصل مقام سے ذرا ہٹ کر کسی قریبی لطیفہ پر توجہ سے کسی اور رنگ اور کیفیت کا مشاہدہ و احساس پیدا ہوتا ہے۔

شیخ کامل کے فیضان سے، ذکر و فکر اور توجہ سے جب یہ لطائف بیدار ہو جاتے ہیں تو سالک عالمِ ملکوت، عالم جبروت، عالمِ لاہوت، عالم یاہُوت اور عالم ہاہُوت میں پرواز کر کے فنا کے دروازے میں سے گزر کر بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے سات مراتبِ سلوک اور سات تعینات اور چھ تنزلات الٰہیہ بیان فرمائے ہیں۔ اصطلاحاتِ صوفیاء کے صفحہ نمبر 40 پر درج ہے کہ ذات کے مرتبہ ظہور کو تعین کہتے ہیں۔ ذات حق تعالیٰ کا تعینات میں ظاہر ہونا تنزل ہے۔ تنزلات ستہ سے مراد چھ تنزلات ہیں۔ (88)

سردلبراں کے صفحہ نمبر 407 پر حضرت شاہ سید محمد ذوقی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں، لغوی اعتبار سے اُوپر کی منزل کو چھوڑ کر نیچے کی

منزل میں آ جانے کا نام تنزّل ہے۔ مثلاً ایک ڈپٹی کلکٹر کا تنزّل تحصیل داری میں ہو گیا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب وہ ڈپٹی کلکٹر نہیں رہا بلکہ تحصیل دار ہو گیا ہے۔ اوپر کے مقام اور مرتبہ سے ہٹ کر وہ اب نیچے کے مقام و مرتبہ پر فائز ہو گیا ہے۔ اوپر کی جگہ اُس سے خالی اور نیچے کی جگہ اس سے پُر ہو گئی ہے۔ اصطلاحی لحاظ سے تصوّف میں تنزّلات سے مراد وہ سیڑھیاں ہیں جن پر وجود نے مرتبہ وراء الوریٰ سے علی الترتیب نزول فرما کر باغ و بہارِ کائنات کی گلشن آرائی فرمائی۔ وجود جیسا تھا ویسا ہی ہے۔ اس میں کسی قسم کا تغیّر نہیں ہوا...... " الآنَ کَمَا کَانَ "...... یہ جملہ تغیرات شہودی اور اعتباری ہیں۔ خواہ وہ علمی ہوں یا عینی۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ''جملہ تنزّلات شہود میں واقع ہوئے نہ کہ وجود میں'' تو اس جملہ سے یہی مراد ہوتی ہے کہ یہ تنزّلات اعتباری ہیں نہ کہ حقیقی۔

سید شاہ گل حسن قادری قلندری، تعلیم غوثیہ کے صفحہ نمبر 311 پر تعینات و تنزّلات کی اعتباری حیثیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''......تعینات محض اعتباری اور صرف نسبتی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ذاتِ مقدس میں کوئی نقص عائد نہیں ہوتا۔ تم ایک کو اگر چار کی چوتھائی ($1 = \frac{1}{4} \times 4 = \frac{4}{4}$) کہو یا تین کی تہائی ($1 = \frac{1}{3} \times 3 = \frac{3}{3}$) یا دو کا آدھا ($1 = \frac{2}{2}$) یا آدھے کا دوچند ($1 = 2 \times \frac{1}{2}$) تو ان نسبتوں سے اُس یگانگی (وحدت، توحید) میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی (کوئی فرق نہیں پڑتا)۔ اسی طرح ذاتِ پاک کو تجلیات و تعینات کے لحاظ سے مختلف ناموں اور مختلف مرتبوں اور مختلف حضرات کے نام سے بولنا اس کی احدیت کا مانع نہیں (اس کی احدیت کے خلاف نہیں) ہے۔ وہی ایک ذات ہے جو رنگا رنگ نظر آ رہی ہے۔

تنزلات کا مفہوم مزید واضح کرنے کے لیے پانی کی مثال پر غور کریں۔ فرض کریں مرتبۂ اول مقام عدم ہے۔ یہاں کچھ بھی موجود

نہیں۔ مرتبہ دوم پر ذات باری تعالیٰ نے مختلف گیسیں پیدا فرما دیں۔ مرتبہ سوم پر ان گیسوں کو خصوصیات اور نام عطا فرما دیئے۔ مرتبہ چہارم پر ان میں سے دو گیسوں، ہائیڈروجن اور آکسیجن کو لے کر ملا دیا گیا۔ اس سے ہائیڈروجن ڈائی آکسائیڈ (H_2O) گیس یا آبی بخارات پیدا ہوئے۔ مرتبہ پنجم پر ان آبی بخارات کو ٹھنڈا کیا گیا تو ان کی تکثیف سے پانی (H_2O) بن گیا۔ مرتبہ ششم پر پانی (H_2O) کو ٹھنڈا کیا گیا تو اس کی مزید تکثیف سے برف (H_2O) بن گئی۔ یہ سب حقیقت اولیٰ کی قدرت سے ظاہر ہونے والے تنزلاتِ ستہ، تعینات اور مراتب ہیں۔ جو لوگ پانی کے کیمیائی فارمولا (H_2O) کو دیکھیں گے۔ انہیں بارش کے پانی، سمندر کے پانی، زمینی پانی، مصنوعی برف، آسمانی برف اور آبی بخارات میں وحدت نظر آئے گی جو ظاہر بین ہوں گے اور پانی کو پانی ہی کہیں گے، برف یا آبی بخارات کا نام نہیں دیں گے، ان کا کہنا بھی درست ہوگا۔ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خدا، خدا ہی رہتا ہے خواہ کتنا ہی نزول کیوں نہ کر جائے، بندہ، بندہ ہی رہتا ہے خواہ کتنا ہی عروج کیوں نہ کر جائے۔ گیسوں کا لطافت سے کثافت پا کر برف بننا یا برف کا کثافت سے لطافت پا کر گیسوں کی شکل اختیار کرنا یا معدوم ہونا ان کے مختلف مراتب کو ظاہر کرتا ہے۔ تصوف میں عدم سے موجودات کے ظہور کے روحانی مراحل کو تفہیم کی خاطر مراتب، تعینات اور تنزلات کی اصطلاحات کی مدد سے بیان کیا جاتا ہے۔

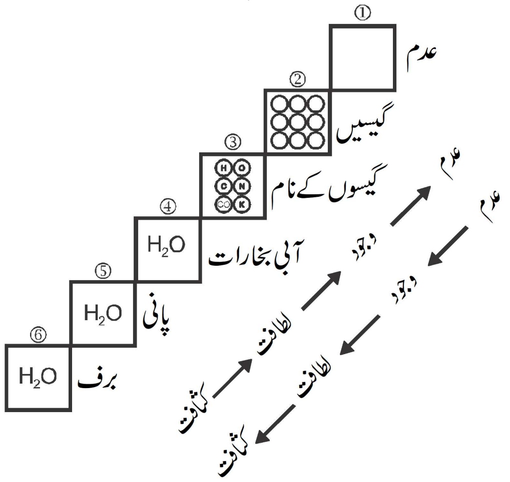

	مراتب	تعینات
	لاتعین	ذات
	تعیّن اول..... ذاتِ حق کا تعیّن (حقیقتِ محمدی)	صفات
	تعیّن دوم..... کائنات کی تخلیق	اسماء
	عالمِ ارواح	افعال
	عالمِ مثال	آثار
	عالمِ ناسوت	اعیان (اشیاء کی صورتیں)
	تنزّل حضرت انسان	انسان

حضرت فقیر نور محمد سروری قادری کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ ''مخزن الاسرار و سلطان الاوراد'' میں ان مراتب کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

1۔ ''سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ان سات مراتب میں اوّل مرتبہ جو تمام مراتب الوہیت سے برتر اور جملہ تعیناتِ علمی اور خارجی سے بالاتر ہے۔ وہ مرتبہَ ذات ہے جسے مرتبہَ احدیّت اور حقیقتِ حق بھی کہتے ہیں۔ یہ مرتبہ ہر قسم کی صفاتِ ذاتیہ وافعالیہ

سے خارج ہے۔ یعنی اِس مرتبے میں نہ صفاتِ ذاتیہ اور نہ افعالیہ کا حصول اور نہ سلب مراد ہے۔ بلکہ یہ مرتبہ ہر وصف ونعت، ہر اسم و رسم، ہر قسم کے ظہور وبطون ہر قسم کی کلّیت و جزئیّت اور عمومیت وخصوصیت وغیرہ تمام اعتبارات واشارات سے پاک ہے۔ اس مرتبے کو مجھول الوصف، ممتنع الاشارات، منقطع الوجدان، غیب الغیب، مُطلق المُطلق اور ازل الازال کہتے ہیں اور مرتبہ ھاھویت لا تعین اور عین ھویّت کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ یہ ذاتی مرتبہ ہر قسم کے اعتبارات تمام تعینات اور جملہ تعلقات اوراضافات غرض کہ اطلاق اور تعین کی کل قیود اور تعلقات سے مطلق مبرّا اور منزّہ ہے۔ یہ مرتبہ وراالوراءثم وراءالوراء ہے۔ اس مرتبہ عرفان تک کسی کو راستہ نہیں اور اس مقام ذاتِ مطلق میں کسی کو دخل نہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ...... آلِ عمران [3:28] [3:30] اور...... لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ...... غافر [40:16] اس مرتبے کی طرف اشارہ ہے۔

2۔ دوم مرتبہ تعین الاوّل اور تجلّی اولیٰ ہے۔ یہ مرتبۂ وحدت ہے۔ یعنی عالمِ ذات کا اپنی ذات اور جملہ صفات واسماء کی نسبت ایسا علم کہ جس میں کسی اِسم وصفت کو ایک دوسرے سے امتیاز نہ ہو۔ یعنی ذات میں علم ذات اور جملہ صفات اور اسماء بلا امتیاز اس طرح مندرج اور شامل ہو جیسا کہ تخم اور پھل میں درخت معہ جملہ شاخوں، پھلوں، پھولوں، پتوں اور کانٹوں وغیرہ کے شامل اور موجود ہوتا ہے اس جگہ چار اعتبارات یعنی علم، وجود، نور اور شہود وظہور پاتے ہیں۔ اس مرتبے کا دوسرا نام حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اس تعین کو مرتبہ اوّل، عقلِ کُل، عقل اوّل، برزخ کبریٰ، برزخ البرازخ، عالمِ صفات، قلم اعلیٰ، لوح محفوظ، اُمّ الکتاب، مخلوقِ اوّل، مبداء اوّل، حقیقت الخالق، ابوالارواح، ابوالکبیر ورابطۂ اوّل، عالم اجمال اور کنز الکنوز کہتے ہیں۔

3۔ سوم مرتبہ تعینِ دوم اور تجلّی ثانیہ ہے۔ اس مرتبے کے اندر ذات نے علم ذات کا اور اپنے جمیع صفات واسماء اور جملہ ممکنات کا تفصیلاً، مجملاً، مجموعاً اور الگ الگ امتیاز پایا ہے۔ یہ مرتبہ احدیّت کہلاتا ہے۔ اس مرتبے میں جملہ صفات سبعہ یعنی سات صفاتِ ذاتی: یعنی صفتِ حیات، علم ارادہ، قدرت، سمع، بصر اور کلام نے ظہور پایا ہے۔ اور کلمات اس میں اٹھائیس ہیں کہ ان کو اسماء الٰہی اور حقائقِ الٰہی کہتے ہیں۔ یہ مرتبۂ لاھوت لا مکان کا ہے۔ یہ مرتبہ ہر آلائشِ حدث وشہادت اور کدورتِ کون وکثافتِ مکان سے پاک ہے۔ یہ محض بحرِ انوارِ غیب اور دنیائے اسرارِ لطیف ہے۔ یہ مقام مقامِ اَرواح سے بالاتر ہے۔

4۔ چوتھا مرتبہ عالمِ اَرواح کا ہے۔ جو کہ ہر مادے سے مجرد اور منفرد ہے اور اجسام کے عوارض، الوان اور اشکال سے پاک ہے۔ اور قابل ادراک خود اور غیر خود ہے۔ اس لیے سوال ''...... اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ......'' الاعراف [7:172] کے جواب میں اَرواح نے بلیٰ اِس مقام میں کہا۔ اس مرتبے کو مرتبۂ جبروت کہتے ہیں۔ عربی مَیں اَجبار جوڑنے اور ملانے کو کہتے ہیں اور جبیرہ اس لکڑی کی چپٹی کو کہتے ہیں جو ٹوٹی ہوئی ہڈی پر باندھتے ہیں۔ یہ مرتبہ مراتبِ الٰہیہ اور مراتب کونیہ کے درمیان بمنزلہ پُل، سیڑھی اور واسطے کے ہے۔ اس لیے اس مقام کو مقامِ جبروت کہتے ہیں۔ یہی مقام جبرائیل ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان وحی کا وسیلہ اور واسطہ رہے ہیں اور عبد ومعبود، خالق ومخلوق اور ربّ ومربوب کے درمیان تعلق جوڑنے پر مامور ہیں۔ یہ مقام عالمِ غیب اور عالم شہادت یعنی عالمِ ارواح وعالمِ اجساد یا عالمِ لطیف وعالمِ کثیف کے درمیان گویا ایک برزخ (پردہ) اور سیڑھی کے ہے۔

5۔ پانچواں مرتبہ عالمِ مثال ہے اور یہ عالمِ ملکوت ہے۔ اس عالم میں میّت سے قبر میں سوال وجواب ہوتا ہے اور اسی عالم میں اُسے برزخ کے اندر عذاب ہوتا یا راحت ملتی ہے۔ کامل لوگوں کی اَرواح اور ملائکہ اسی عالم میں بود وباش رکھتے ہیں اور مختلف مثالی شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ خضر اور الیاس علیہم السلام کو اسی مقام میں زندگی حاصل ہے اور اَرواحِ شہداء اکبر اَور اصغر کو اسی مقام میں بہ نسبت دیگر اَرواح کے بڑھ کر زندگی اور بیداری حاصل ہے۔ انسان کے سچے خواب اِسی مقام میں واقع ہوتے ہیں۔

6۔ چھٹا مرتبہ مرتبۂ وجود عالمِ ناسُوت ہے۔ یہ عالم قابلِ خرق والتیام یعنی ٹوٹنے اور جڑنے کے قابل ہے۔ یہاں تمام اشیاء کونیہ باعتبارِ خلقت سوائے عرش وکرسی کے قابل تجزیہ وتبعیض ہے۔ اس عالم میں اشیاء جڑتی اور ٹوٹتی ہیں۔ اس مرتبے کی ابتداء عرشِ رحمن سے

ہے اور اس کا انجام اور خاتمہ موالیدِ ثلاثہ پر ہے۔فرش سے عرش تک اس کا عرض محیط عالم ہے۔اس مرتبے کو مرتبۂ ناسُوت کہتے ہیں۔

7۔ ساتواں مرتبہ جمع الجمع ہے۔اس مرتبے کا مظہر حضرتِ انسان ہے کہ جملہ تعینات سابقہ اور کل عوالمِ مذکورہ کا جامع ہے۔اس مرتبۂ ہدایت میں مرتبۂ نہایت مندرج ہے۔

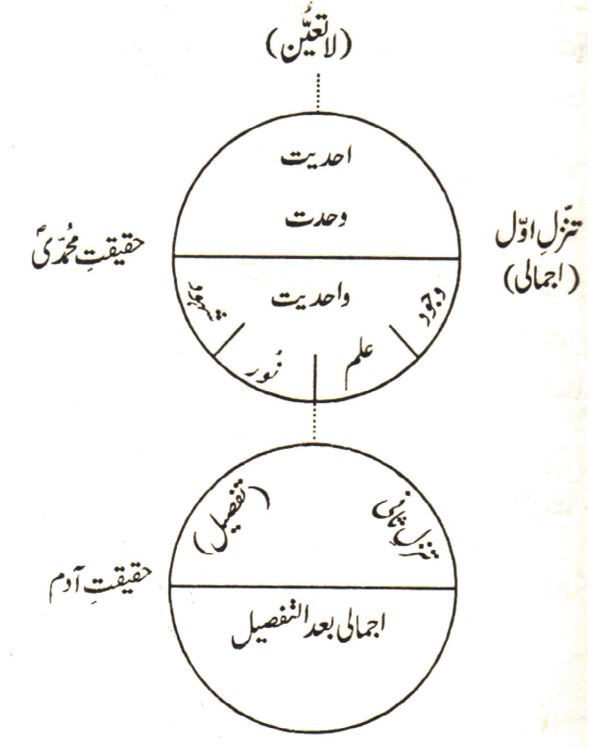

كَمَا قِيْلَ النِّهَايَةُ هِيَ الرُّجُوْعُ اِلَى الْبَدَايَةِ اورفَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ...... الحجر[15:29]ص[38:72] اِسی نسبتِ ذاتی سے مراد ہے اور اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ...... البقرہ[2:30] اِسی جامعیت کی طرف اشارہ ہے۔اور خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ اِسی کمالیّت پر دال ہے۔اِس مرتبے میں انسانِ کامل مظہرِ اتم کبریا اور آئینہ جامع حق نما ہوتا ہے۔

ان سات مراتب میں سے اوّل تین مراتب یعنی مرتبہ ھاھوت، یاھوت اور لاھُوت کو مراتبِ الٰہیہ کہتے ہیں اور دیگر تین مراتب یعنی مرتبۂ جبروت، ملکوت اور ناسوت کو مراتبِ کونیہ کہتے ہیں۔اور ساتویں مرتبۂ حضرتِ انسان کو مرتبۂ جامع کہتے ہیں۔کیونکہ اس میں جملہ مراتبِ الٰہیہ اور مراتبِ کونیہ بالقوی جمع ہیں۔یہ مرتبہ ہر دو امکان اور وجوب اور مرتبۂ حدوث وقدم کے رنگ سے رنگین ہے۔

مذکورہ بالا سات مراتب میں سے سوائے پہلے ذاتی مرتبہ کے باقی چھ مراتب کو تنزّ لاتِ ستّہ یعنی چھ عدد تنزّ لات کہتے ہیں۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے واحد مطلق اور اکیلے تھے۔ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ مَّعَهٗ شَیْءٌ یعنی اللہ تعالیٰ موجود تھا اور اُس کے ساتھ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔پس اللہ تعالیٰ نے اخفاء سے اظہار اور وحدت سے کثرت کی طرف ظہور ونزول فرمایا اور اس ظہور و نزول سے چھ قسم کے تنزّ لات واقع ہوئے۔چنانچہ نزول اول میں اللہ تعالیٰ نے ذات سے صفات کی طرف اور نزول دوم کے اندر صفات سے اسماء کی طرف ظہور فرمایا۔تیسرے نزول میں اسماء سے افعال کا صدور ہوا اور چہارم نزول میں افعال سے آثار نمودار ہوئے۔پنجم میں آثار سے اعیان اور ششم تنزّ ل کے اندر اعیان سے حضرتِ انسان کا نمود اور اس کا وجود موجود ہوا۔اِن مراتب میں سے پہلے تین مراتب کو مراتبِ الٰہیہ اور پچھلے تین مراتب کو مراتبِ کونیہ اور آخری مرتبہ کو مرتبۂ جامعہ کہتے ہیں اور پہلے مرتبہ ذات کے

بعد دو مراتب کو ظہورِ علمی اور آخری تین مراتب کو ظہورِ عینی کہتے ہیں۔ چنانچہ ذیل میں ان جملہ مراتب وتعینات وتنزّلات وظہورات کا نقشہ دیا جاتا ہے۔

مرتبۂ اوّل	مرتبۂ دوم	مرتبۂ سوم	مرتبۂ چہارم	مرتبۂ پنجم	مرتبۂ ششم	مرتبۂ ہفتم
ذات	(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)
	تنزّلِ صفات	تنزّلِ اسماء	تنزّلِ افعال	تنزّلِ آثار	تنزّلِ اعیان	تنزّلِ انسان
(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)	(۷)
تعیّنِ احدیّت	تعیّنِ وحدت	تعیّنِ وحدانیّت	تعیّنِ روح	تعیّنِ مثال	تعیّنِ جسم	تعیّنِ انسان
(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)	(۷)
مقامِ ہاہُوت	مقامِ یاہُوت	مقامِ لاہُوت	مقامِ جبروت	مقامِ ملکوت	مقامِ ناسُوت	مقامِ ذات
مراتبِ الٰہیہ			مراتبِ کونیّہ			مرتبۂ جامعہ
ظہُوراتِ عِلمِی			ظہُوراتِ عَینِی			

یاد رہے کہ آفتابِ ذات نے جب اُفقِ وحدت سے ظہورِ کثرت کی طرف جلوہ فرمایا تو نُورِ ذات سے سات مختلف ذاتی صفات کی شعاعیں نمودار ہوئیں۔ یعنی صفتِ حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اَور کلام اور اسی کے مطابق سات مذکورہ بالا مراتب اور سات تعینات قائم ہوئے۔ جیسا کہ آفتاب کے ذاتی سفید نور سے سات مختلف الوان اور رنگوں کا ظہور ہوتا ہے۔ جب کہ وہ کسی شفاف محدّب جسم سے گذرتا ہے۔ جنہیں ہم اکثر شبنم کے قطروں اور قوسِ قزح کی صورت میں روزمرّہ دیکھتے ہیں۔ آفتابِ ذات کے یہ سات نزولی رنگ عالمِ کثرت، جملہ تنوعات کے ہر علوی اور سفلی اور غیب وشہود کے تمام امکانات میں ظاہر ہوئے۔ (89)

عزیزانِ من! اسلام میں انسانی زندگی کی غرض وغایت قرب ومعرفت الٰہی ہے اور تمام عبادات یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سب کا مقصد حصول قرب ومعرفتِ الٰہی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو اپنی حالت دیکھ کر غور کرنا چاہیے کہ آیا اس کی عبادت سے اس کو قربِ حق میں اضافہ ہو رہا ہے یا دنیا سے محبت زیادہ ہو رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نماز سے انسان کے گناہ نہیں رک سکتے وہ نماز نہیں ہے۔ چنانچہ اولیاء کرام اور مشائخ عظام کا جو مسلک ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زندگی اور تعلیمات کے عین مطابق ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اولین فرض زہد وتقویٰ، اور رات دن قربِ حق میں ترقی کے لیے جدوجہد کرنا تھا۔ اولیاء کرام کا طریقہ وہی رہا ہے کہ اولیت حصول قرب ومعرفت کو دیتے رہے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام کی طرح ان کو اور ان کے خلفاء ومریدین کو عملی طور پر حق تعالیٰ کا قرب ووصال نصیب بھی ہوا ہے جس کی بدولت وہ اس قدر مقبول حق، مقبول رسولؐ اور مقبول خلق ہوئے کہ سینکڑوں ہزاروں سال گزر جانے کے بعد بھی آج تک ان کے مزارات اور تعلیمی مراکز آباد اور پر رونق ہیں اور ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت رکھنے والے جانباز عاشقوں کا وہاں ہر وقت تانتا بندھا رہتا ہے اور ان کے عرسوں پر اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ جس کی کسی اور عالم، فاضل اور قومی راہنما کی قبور یا تعلیمی مراکز پر مثال نہیں ملتی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام محبت کا مذہب ہے اور خدا کی محبت ہر شخص اور ہر کس وناکس کے دل میں موجزن ہے۔ چونکہ اولیاء اللہ کی تعلیمات میں حق تعالیٰ کی محبت کا عنصر غالب ہوتا ہے لوگ بے ساختہ اور والہانہ طریق پر ان کے گرویدہ ہو جاتے ہیں لیکن زاہدان خشک منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

اسلام میں شدید حب اللہ کی شہادت اس سے زیادہ کیا ہو سکتی کہ خود خالق کائنات نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے...... وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط البقرہ [2:165] (مومنین کو حق تعالیٰ کے ساتھ شدت سے محبت ہوتی ہے) نیز فرمایا...... قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ

فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ......آل عمران[3:31] کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو تم اللہ کے محبوب بن جاؤ گے) نیز ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اَلَا لَا اِیْمَانَ مَنْ لَا مَحَبَّتَہ لَہٗ o اَلَا لَا اِیْمَانَ مَنْ لَا مَحَبَّتَہ لَہٗ o اَلَا لَا اِیْمَانَ مَنْ لَا مَحَبَّتَہ لَہٗ o (جس کے دل میں محبت نہیں اس کا ایمان بھی نہیں ہے) یہ کلمات آپ نے زور دے کر تین مرتبہ فرمائے۔ اس لیے ہر عابد، زاہد، عالم، فاضل، مومن اور مسلمان کا فرض ہے کہ ہر وقت یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے کہ اس حدیث پاک کے مطابق وہ کولہو کے بیل کی طرح نقطہ آغاز پر تو نہیں کھڑا۔ ترقی کی ظاہری علامت یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ کا قرب محسوس ہو۔ ہر کام میں اس کو تائیدِ ایزدی حاصل ہو جاتی ہے، خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہوتی ہے تو حق تعالیٰ کی جانب سے اس کو خواب میں تنبیہہ ہو جاتی ہے۔ بزرگانِ دین کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ کشف کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ گذشتہ اور آنے والے واقعات کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ اس کے مخالفین نقصان اُٹھاتے ہیں اور قدم قدم پر اس کو حق تعالیٰ سے امداد ملتی ہے اور بالآخر فنا فی اللہ اور بقاء باللہ جیسے بلند مراتب نصیب ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو قربِ حق کی نوعیت کا علم نہیں ہے اور چند نمازیں پڑھ کر اپنے آپ کو مقربِ بارگاہ سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ (90)

سروری قادری سلوک روحانی (فقرِ باہو):۔ تمام روحانی سلاسل میں فکری، عملی، روحانی اور اخلاقی ارتقاء کے حصول کے لیے راہِ سلوک طے کرائی جاتی ہے۔ سروری قادری مسلک میں مشاہدہ حق، قربِ ربّانی اور قربِ نبوی کے حصول کے لیے تصورِ اسمِ ذات، تصورِ اسمِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تصورِ کلمہ طیبہ، تصورِ مرشد اور دعوتِ قبور کی تعلیم دی جاتی ہے۔ علم تصور اسمِ اللہ ذات کو علم اکسیر یا تصور توفیق کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ تصور دعوت القبور یا علم تکسیر یا تصور تحقیق، یہ تین نام بھی ایک ہی علم کے ہیں۔ (91)

معرفت اور دیدار کا راستہ:۔ سلطان العارفین، حضرت سلطان باہو قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں: معرفت اور دیدار کا راستہ اسمِ ذات اللہ سے شروع ہوتا ہے اور پھر اسمِ ذات اللہ پر ختم ہو جاتا ہے کیونکہ جملہ مراتب ابتدا وانتہا اسمِ ذات اللہ میں مندرج ہیں۔ اس لیے طالب کو چاہئے کہ پیشانی، سینے اور ناف پر اسم اللہ ذات لکھنے کی مشق جاری رکھے۔ بد دل نہ ہو۔ (92)

مجلسِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری:۔ جس شخص کا تمام وجود اور ہفت اندام اسم اللہ ذات کی نوری تحریر سے منقش اور مرقوم ہو جاتا ہے اس کے بعد اسے ایک نوری لطیف وجود عطا ہوتا ہے۔ اس وجود سے وہ باطن میں مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور مجلس انبیاء واولیاء میں حاضر ہوتا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کے فضل اور مرشد کامل کی توجہ سے سالک کا ایسا نوری لطیف وجود زندہ نہ ہو جائے اپنی کوشش اور محنت مشقت سے اس کثیف عنصری خاکی جثّے کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک مجلس میں حاضر نہیں ہو سکتا۔ (93)

مرشد کے حکم اور اجازت سے جب طالب دل پر اسم اللہ لکھ لیتا ہے اور اسے نوری لطیف وجود عطا ہو جاتا ہے تو مرشد توجہ دے کر کہتا ہے اب دیکھ تو اس وقت اسم اللہ ذات آفتاب کی طرح تجلّی انوار سے روشن اور تاباں ہو جاتا ہے۔ اس وقت طالب اپنے دل کے اردگرد ایک وسیع اور لازوال ملک دیکھتا ہے جس میں چودہ طبق اور کونین رائی کے دانے کے برابر نظر آتے ہیں۔ اس میدان میں ایک گنبد دار روضہ طالب کو نظر آتا ہے جس کے قفل پر کلمہ طیب نوری مرقوم ہوتا ہے۔ جس کی کلید اور کنجی اسمِ اللہ ذات ہے۔ طالب اسمِ اللہ ذات کی کنجی سے کلمہ طیب کا قفل کھول کر جب اندر جاتا ہے تو صراطِ مستقیم سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس عظیم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس مجلس میں چار یار معہ اصحاب کبار، پنج تن پاک اور شاہ محی الدین موجود ہوتے ہیں۔ مجلس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح علامت یہ ہے کہ اس مجلس میں نص، حدیث کا تذکرہ یا تسبیح یا کلمہ طیب یا درود شریف کا ورد اور ذکر ہوتا ہے۔ طالب صادق کو یہ قرب اللہ تعالیٰ کے حکم وتوفیق اور مرشدِ کامل کی رفاقت سے حاصل ہوتا ہے۔ (94)

مجلسِ حق کی پہچان:۔ اس وقت طالب مجلس حق اور باطل میں ہوش وحواس اور شعور سے دل جمعی سے درود، لاحول، سبحان اللہ اور کلمہ طیب پڑھ لیتا ہے۔ اگر وہ مجلس حضور علیہ السلام یا مجلس اولیاء انبیاء ہو تو قائم رہ جاتی ہے۔ باطل اور شیطانی مجلس کلمہ طیب پڑھنے سے درہم برہم ہو جاتی ہے۔ جب طالب اس باطنی طریقے سے توفیق کے ذریعے اس حقیقی مجلس میں آتا جاتا ہے اور حق و باطل کو خوب جان لیتا ہے تو اسے

ہر وقت لاحول پڑھنے کی حاجت نہیں رہتی کیونکہ اس کا باطن حق سے ملحق ہوجاتا ہے اور جو کچھ باطن میں دیکھتا ہے فوراً ظہور پذیر ہوجاتا ہے۔ **کُلُّ بَاطِنٍ مُّخَالِفٌ لِّظَاهِرٍ فَهُوَ بَاطِلٌ** ہر باطنی معاملہ جو ظاہر شریعت کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔ (95)

مشاہدۂ حق:۔ تصورِ اسمِ ذات اللہ کے ذریعے طالبِ صادق عرش کو قدم کے نیچے فرش بنالیتا ہے اور لاہوت لامکان میں ساکن ہو کر مشاہدہ انوار دیدار باعیان کرتا ہے۔ (96)

طالب جب زبانِ دل سے کہتا ہے 'لَآ اِلٰـهَ' تو مراتب 'مُوْتُوْ' سے مقام روحانیت میں جا پہنچتا ہے اور مشاہدۂ اہل ممات روحانیات سے واقف اور آگاہ ہوجاتا ہے۔ دیکھتا ہے کہ بعض روحانی علیین میں ہیں اور بہشت کے گلشن گل بہار میں عیش وعشرت کر رہے ہیں اور بعض مقام سجین میں معذب ہو رہے ہیں۔

جب طالب 'اِلَّا اللّٰهُ' کہتا ہے تو مقام 'مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا' کو طے کرلیتا ہے۔ عالم ممات کو عالم حیات کی طرح دیکھتا ہے۔ قیامت کے میدان عرفات میں حاضر ہو کر حساب کتابِ اعمال سے خلاصی پالیتا ہے اور پل صراط سے گزر کر بہشت بریں میں جا داخل ہوتا ہے۔ اس وقت پانچ سو سال تک اللہ تعالیٰ حق معبود کے آگے سربسجود ہوتا ہے اور جس وقت کہتا ہے **محمد رسول اللہ** ﷺ تو ساغر شراباً طہوراً بہشتی حضرت محمد ﷺ کے دست مبارک سے نوش کرلیتا ہے۔ اس وقت دیدارِ پرانوار رب العالمین سے مشرف ہوجاتا ہے۔ (97)

باطنی نعمتوں کا حصول:۔ ان باطنی راستوں میں بے شمار آفتیں ہیں۔ صرف تصور اسم اللہ ذات کا راستہ ہی امن اور سلامتی کا ہے۔ باطن میں چودہ قسم کی بجلی، چودہ الہام، چودہ ذکر مذکور، چودہ قرب نور، چودہ حکمت ضرور اور چودہ علوم باطنی معمور ہیں۔ جو کہ تصورِ اسم اللہ ذات سے سالک کو حاصل ہوجاتے ہیں۔

مادی دنیا میں دو قسم کی بجلی ہے: متحرک اور ساکن۔ باطنی اور روحانی دنیا میں چودہ قسم کی بجلیاں ہیں جن کو تجلیات کہا جاتا ہے۔ مادی بجلی میں طاقت، روشنی اور آواز ہوتی ہے۔ روحانی بجلی میں طاقت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کا وجود ہے۔ یہاں روشنی کو تجلیات کہتے ہیں اور آواز کو الہام کہتے ہیں۔ (186)(98)

تصور اسم اللہ ذات سے ذکر کا جاری ہونا:۔ تصورِ اسم اللہ ذات کی نوری تحریر طالب کے سر سے قدم تک ہفت اندام میں اس طرح سرایت کر جاتی ہے جس طرح عشق پیچاں درخت پر چھا جاتا ہے۔ اس کے ہر اندام پر اسمِ اللہ ذات مرقوم اور نقش ہوجاتا ہے اور اس کے وجود کا ہر بال جوش میں آکر اللہ اللہ پکارنے لگ جاتا ہے اور لطیفہ قلب '' سِرِّهُوَ سِرِّهُوَ '' کا شور مچا دیتا ہے۔ روح فریاد کرتی ہے **هُوَ الْحَقُّ هُوَ الْحَقُّ** اور نفس دن رات '' رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا '' کا ورد جاری رکھتا ہے۔ (99)

مراقبہ اسم محمد ﷺ:۔ جو طالب مراتب حاصل کرنا چاہے۔ آنکھوں سے دیدارِ رسول علیہ السلام وصال محمد ﷺ، قال واحوالِ محمد ﷺ، معرفت لازوال، جمعیت دوام، فقر تمام، روشن ضمیری چاہے تو وہ دائرہ اسم محمد ﷺ میں آجائے۔ جو مرشد طالب کو حضور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ میں پہنچانا چاہتا ہے طالب کے وجود کو اسمِ محمد ﷺ میں لپیٹ لیتا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ وقتِ دیدار حضور علیہ السلام کے دائیں قدم مبارک کے نیچے سے خاک پاک عنبریں اٹھالے۔ جس کو کھلائے گا صاحب چشمِ عیانی اور عارفِ ربانی ہوجائے گا۔ جس شہر ملک میں ڈالے گا قیامت تک بلیات وآفات سے محفوظ رہے گا۔ اگر بائیں قدم مبارک کی خاک پاک عنبریں اٹھائے گا تو کھانے والا مجذوب ہوجائے گا۔ ملک شہر برباد ہوگا۔ علاج اس کا یہ ہے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر نظرِ رحمت اور نگاہ شفقت کی التجا کرے۔ (100)

تصور اسم اللہ ذات سے کسبِ فیض کا طریقہ:۔ طالب برکات اسمِ اللہ ذات سے ایک ہی توجہ، تصرف، تصور اور تفکر سے اپنا دم جبریل علیہ السلام کے دم سے ملا کر پیغام الٰہی اور اسرارِ قرآن وحدیث حاصل کرسکتا ہے۔ جناب میکائیل علیہ السلام سے دم ملا کر بارش برسا سکتا ہے۔ علیٰ ھذا القیاس کسی نبی علیہ السلام یا ولی اللہ کے دم سے دم ملا کر ان سے وہی کام لے سکتا ہے جس کے لیے وہ مخصوص، مشہور اور مختص ہیں۔ (101)

باطنی لطائف:۔ انسان میں قربِ حق اور اللہ تعالیٰ کے لطف کے چودہ باطنی لطائف ہیں جن کے کھل جانے اور زندہ ہوجانے سے جملہ ظاہری اور باطنی حواس نور ہو جاتے ہیں۔اس کا ہر عضو مظہرِ انوار ہو جاتا ہے۔جس طرف نگاہ دوڑاتا ہے بےمثل تجلی انوار پاتا ہے۔(102)

وجود کے ہر عضو میں ایک باطنی لطیفہ ہوا کرتا ہے۔مرشد صاحب تصدیق،صدیق کو پانچ قسم کے علوم دقیق عطا کرتا ہے۔جنہیں پنج گنج اور لطائف انوارِ رحمت کہتے ہیں۔یہ انوار طالب کے دماغ مقام روح میں پیدا ہوتے ہیں جن سے اسرار الٰہی ہویدا ہوتے ہیں۔مقام استخوان ربیض میں سالک قبر کے اندر محوِ دیدار ہو جاتا ہے۔صورِ اسرافیل سے ہی بیدار ہوتا ہے۔اس قسم کے سات لطائف قلب کے اندر ہیں۔ایک لطیفہ مقام سینہ میں انگوٹھی میں نگینے کی طرح ہے۔اس لطیفے کے زندہ ہوتے ہی دل سے نفاق،بغض اور کینہ نکل جاتا ہے۔سالک خاتمہ بالخیر،عارف روشن ضمیر،دیدۂ بینا ہو جاتا ہے۔ایک لطیفہ مقام ناف میں ہے۔طالب نفس کے خلاف اور صاحبِ انصاف ہو جاتا ہے۔دو لطیفے دو پہلوؤں میں ہیں۔ان کے کھلنے سے اوصافِ ذمیمہ وجود سے رفع اور دور ہو جاتے ہیں۔روح فرحت پاکر زندہ ہو جاتی ہے۔سالک کامل کا تمام وجود جب ان تمام لطائف کے انوار سے آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا ہے اس وقت سالک مرتبہ لاحد و لاعد کو پہنچ جاتا ہے اور روئے زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ برحق ہوتا ہے۔

حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ باطنی لطائف کی شرح میں فرماتے ہیں: واضح ہو کہ انسان صرف گوشت اور ہڈیوں کے ڈھانچے کا نام نہیں بلکہ انسان دل،دماغ،پانچ حواس اور ذاتی صفات علم،ارادہ،قدرت،سمع،بصر،کلام اور حیات اور اس کے علاوہ دیگر انسانی صفات سے بھی متصف ہونے کا نام ہے۔اسی طرح باطن میں انسان جب تک غیبی لطیف نوری وجود اور غیبی پانچ حواس اور سات صفات (علم، ارادہ،قدرت،سمع،کلام،حیات) اور باطنی دل و دماغ یعنی چودہ باطنی لطائف سے زندہ اور تابندہ نہ ہو جائے۔تب تک باطن میں اصلی آدم کی اولاد اور زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں ہوتا۔انسان کا یہ باطنی وجود مرشد کے نوری نطفے سے طالب کے رحم دل میں پڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔یعنی مرشد اپنے نور کا نطفہ طالب کے رحمِ دل میں توجہ سے ڈالتا ہے تو طالب کے بطن باطن میں یہ نوری لطیفہ پرورش و تربیت پاتا ہے اور دن بدن ترقی کرتا ہے اور اس کے باطن میں تمام اعضاء تیار ہوتے ہیں۔پھر اس میں چودہ لطائف اور حواس و صفات اور دل و دماغ نمو پاتے ہیں۔جب اس کی تخلیق مکمل ہو جاتی ہے تو یہ نوری لطیفہ،نوری طفل کی طرح بطنِ باطن سے تولد ہوتا ہے۔روحانی ماں باپ کے شیرِ نور سے اس کی تربیت اور پرورش ہوتی رہتی ہے اور جب بڑا ہو کر بالغ ہو جاتا ہے تو مقام ارشاد میں قدم رکھتا ہے اور اسے دیگر طالبوں کو تعلیم و تلقین کرنے اور ان کے دل زندہ کرنے کی قابلیت حاصل ہو جاتی ہے۔

لطائف کی پہچان:۔ مرشد کی تعلیم،توجہ اور تلقین کی بدولت لطائف کی پہچان ہوتی ہے۔اس ضمن میں حضرت سلطان باہو قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں: مرشد تلقین و ارشاد سے قبل طالب کے علم ظاہری کا مقابلہ کرے۔علم باطن کی تکرار کرے۔امتحان سے عہدہ برآ ہونے کے بعد ذکر کے غلبات اور تصور اسمِ ذات اللہ سے طالب کو اپنے وجود میں صورتِ نفس و صورتِ قلب و صورتِ روح،صورتِ سر علیحدہ علیحدہ دکھادے۔مرشد رفیق،صاحب توفیق کی بخشش یہ ہے کہ ہر ایک صورت کے ساتھ ہم زبان و ہم سخن باعیان ہو۔یہ مرتبہ بھی شریعت محمدی علیہ السلام کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔(103)

بذریعہ الہام ذاتِ باری تعالیٰ سے رابطہ:۔ جس شخص کا تصور اسمِ اللہ ذات سے نفس ہوا و ہوس اور اوصافِ ذمیمہ سے پاک ہو کر مرجاتا ہے وہ زندہ قلب ہو کر اللہ تعالیٰ کے قرب و حضور سے جواب بذریعہ الہام پاتا ہے۔(104)

اقسام الہام:۔ ''اَلْاِلْهَامُ اِلْقَاءِ الْخَيْرِ فِيْ قَلْبِ الْغَيْرِ بِلَا كَسَب'' الہام بلا سبب خیر کی بات کا دل میں ڈالنے کا نام ہے۔الہام ایک قسم کا پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور حضور سے پہنچتا ہے۔الہام (غیبی آواز) کئی اقسام کا ہوتا ہے اور کئی طرح پر ہوتا ہے۔ہر ایک الہام حق اور باطل کو آثار سے معلوم کرنا چاہئے۔اس کی نو اقسام ہیں:

1۔ الٰہیاتی الہام:۔ اس سے مراد وہ خاص الہام ہے جو تصور اسم اللہ ذات سے اللہ تعالیٰ کے حضور سے وارد ہوتا ہے۔یہ الہام غیر مخلوق ہوتا ہے۔اس الہام میں آواز نہیں ہوتی بلکہ الہام کا ایک غیر مخلوق نور دل کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور صاحبِ الہام کے دل

سے عبارت اور الفاظ کی صورت میں زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ اس قسم کا پیغام اور الہام عارف باللہ کو مقام لی مع اللہ میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ محض فقرِ ذاتی کے لیے ایک خاص خلوت کا مقام ہوتا ہے جسے، نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ہم انسان کی شاہ رگ سے بھی اس کے زیادہ نزدیک ہیں) یا فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ o (سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ایسا فقیر اللہ تعالیٰ سے روبرو، دوبدو جواب باصواب پاتا ہے اور بے کام و زبان، ہم سخن و ہم کلام ہوتا ہے۔ یہ ہے مرتبہ ''اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ''۔ یہ مرتبہ الہام خاص الخاص کامل فقیر فنا فی اللہ، باقی باللہ، عاشق معشوق اور محبوب و مرغوب کا ہے۔

2۔ **نبوی، اولیائی اور شہیدی الہام:**۔ اس سے مراد وہ الہام ہے جو آوازِ مخلوق کے ذریعے انبیاء و اولیاء اللہ یا شہیدوں کی طرف ہو۔ یہ الہام سامنے سے یا دائیں طرف سے ہوا کرتا ہے اور اس میں روحانی خوشبو ملی ہوتی ہے۔

3۔ **الہام ملکی:**۔ فرشتوں کی طرف سے الہام بھی اسی قبیل کا ہوتا ہے۔

4۔ **جناتی اور شیطانی الہام:**۔ جو الہام بائیں طرف سے یا پشت کی طرف سے ہو اور اس میں بدبو آمیختہ ہو تو جانے کہ یہ الہام جنات اور شیاطین کی طرف سے ہے۔

5۔ **دنیوی الہام:**۔ جس الہام سے وجود میں حرص اور طمع وغیرہ پیدا ہو وہ الہام آوازِ دنیا ہے۔

6۔ **نفسانی الہام:**۔ جس الہام اور آواز سے وجود میں شہوت اور ہوائے نفسانی کا جذبہ پیدا ہو اور طبیعت اس سے بے قرار ہو تو یہ الہام نفس کا ہے۔

7۔ **الہام از ارواحِ مقدسہ:**۔ جس الہام اور آواز سے وجود میں فرحت، ترک و توکل، تجرید و تفرید اور توحید پیدا ہو وہ الہام اور آواز ارواحِ مقدسہ کی طرف سے ہے۔

8۔ **قلبی الہام:**۔ جس الہام اور آواز سے دل میں صفائی پیدا ہو اور سودا سویدا میں نور ہو یدا ہو۔ وہ الہام اور آواز قلب کی ہے۔

9۔ **رسولی الہام:**۔ جس الہام اور آواز سے روشن انوار وسیلہ معرفتِ دیدار پروردگار ہوں اور مشرق سے مغرب تک تمام کائنات کی تسخیر حاصل ہو۔ یعنی ہر دو مرتبہ غنایت و ہدایت بدرجہ اتم حاصل ہو یہ آواز اور الہام جناب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔

کلام کی پہچان:۔ صاحبِ الہام کامل جو اللہ تعالیٰ کے قرب و حضور سے بات کرتا ہے اور جو ناقص ریاکار سخن کہتا ہے اس میں فرق بیان کرتے ہوئے اور ان کے کلام کی پہچان کا طریقہ بیان کرتے ہوئے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: ''ناقص جو کلام کرتا ہے محض تقلید سے کرتا ہے اس میں کچھ لذت اور تاثیر نہیں ہوتی اور دل اس سے ملول اور بیزار ہوتا ہے۔ لیکن کامل کی بات میں لذت اور تاثیر ہوتی ہے اور اپنے موقع پر صحیح اور عقدہ کشا ہوتی ہے۔''(105)

انبیاء و اولیاء سے روحانی ملاقات کا طریقہ:۔ محض حاضرات اسمِ اللہ ذات سے ہی انبیاء و اولیاء کی ملاقات اور صحبت کا راستہ کھلتا ہے لیکن مرشد کامل کی توجہ اور نگاہ ہمراہ ہونی چاہیے۔ زندہ نفس اور سیاہ دل لوگ اس راہ سے بالکل بے خبر ہیں۔

حاضرات کی اقسام:۔

01۔ تیس حروفِ تہجی کی تیس قسم کی حاضرات

02۔ ننانوے اسمائے الٰہی کی ننانوے طرح کی حاضرات

03۔ حاضراتِ ذات

04۔ حاضراتِ صفات

05۔ حاضراتِ اہل حیات

06۔ حاضراتِ اہل ممات

07۔ حاضرات ہژدہ ہزار عالم مخلوقات

08۔ حاضراتِ جنات

09۔ حاضرات اہلِ تکوین (غوث وقطب، اوتادوابدال)

10۔ حاضرات اہلِ تصرفات (نمبر xi والے اور دیگر سب)

11۔ حاضرات جمیع اولیاء، صلحاء، شہداء اور روحانیت۔

12۔ ارواح اور ملائکہ ہفت افلاک وعرش وکرسی کی حاضرات

13۔ حاضراتِ موکلات

14۔ قرآنی آیات کی حاضرات

15۔ حدیث قدسی کی حاضرات

16۔ مجتہدین کی حاضرات

17۔ آئمہ دین کی حاضرات

18۔ چھ اسماء (اَللّٰہ۔ لِلّٰہ۔ لَہٗ۔ ھُو۔ محمد ﷺ۔ فقر) کی حاضرات۔ ان کے حروف اٹھارہ ہیں اور ہزار مخلوق ان اسماء کی قید میں ہے ۔ چھ ہزار انواع ہوا میں، چھ ہزار پانی میں اور چھ ہزار خشکی پر رہائش رکھتے ہیں۔ جو شخص مذکورہ بالا حاضرات کا عمل جانے وہ کل مخلوقات اور تمام کائنات کی ارواح اور تمام موکلات، ملائکہ اور کل جنات کو جس جگہ جس وقت چاہے حاضر کر سکتا ہے اور جس مقام دیدہ یا نادیدہ کو فوراً پہنچنا چاہے پہنچ جاتا ہے۔

19۔ کلمہ طیب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کے چوبیس حروف کی چوبیس قسم کی حاضرات (106)

باطنی علوم کا حصول:۔ حاضرات اسمِ اللہ ذات سے سالک کا باطن روشن ہو جاتا ہے اور اسے جملہ علوم تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس ضمن میں حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

1۔ جس وقت لوحِ ضمیر کا سودا سویدا بذریعہ اسمِ اللہ ذات علم باطنی سے کھل جاتا ہے تو کونین کے جملہ علوم دل کی تختی پر ایک نقطے کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ محض الف سے ایک ہزار علوم معلوم ہو جاتے ہیں۔ عمل کے لیے بس یہی ایک علم کافی ہے۔ (107)

2۔ دائرہ سی حروف کے تیس حروف انسان کے اندر فطری اور قدرتی طور پر دنیائے نطق وعلم کلام اور جانِ بیان کی تخلیق کا باعث بنے۔ ہر حرف ناطق ہو کر خود اپنا تصور، تصرف اور حاضرات بتاتا ہے۔ اس سے ہر موکل قید اور غلام ہو جاتا ہے۔ (108)

باطنی حجابات سے نجات پانے کا طریقہ:۔ انسان کا نفس کافر باطن میں جملہ ایک لاکھ اسی ہزار (1,80,000) زنار پہنے ہوئے ہے جن میں تیس ہزار وسوسہ کے، تیس ہزار طمع وحرص ودنیائے دوں کے، تیس ہزار شرک کے اور تیس ہزار زنار کفر کے ہیں۔ لیکن یہ زنار یہود ونصاریٰ اور دارِ حرب کفار کے زناروں سے زیادہ سخت ہیں۔ یہ باطنی زنار نہ ورد وظائف اور صوم وصلوٰۃ سے ٹوٹتے ہیں نہ حج زکوٰۃ سے، نہ مراقبہ مکاشفے سے، نہ مجادلے سے، نہ بذریعہ علم مسائل فقہ وتفسیر اور نہ بذکر فکر تاثیر، نہ چلوں ریاضت خلوت سے، نہ تلاوت قرآن آیات سے، نہ بذریعہ شبِ بیداری اور نہ حبسِ دم، نہ جنبش وحرکتِ دل اعتباری سے۔ ان جملہ زنار باطنی کے توڑنے کا واحد علاج یہ ہے کہ مرشد کامل تصور اسمِ ذات اللہ اور تصورات حاضرات کلمہ طیبات سے حروف اسمِ ذات اللہ اور حروف کلمہ طیبات تفکر اور توجہ باطنی سے طالب اللہ کے دل کے اردگرد مرقوم کردے۔ ان نوری حروف کے لکھے جانے سے طالب کے وجود میں سر سے قدم تک انوار توحید اور معرفت کی آگ روشن ہو جاتی ہے کہ تمام باطنی زناروں کو جلا دیتی ہے۔ (109)

باطن حجابات کی دیگر، مزید اقسام کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت سلطان باہو قدس سرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں: واضح ہو کہ مسلک سلوک کے اس باطنی راستے میں بے شمار حجابات پیش آتے ہیں۔ بعض حجاب سکر صحو اور قبض بسط نورانی اور بعضے حجاب فرشتگان مکانی اور بعضے حجاب خلق از قسم جہل ونادانی۔ چنانچہ شریعت حجاب، طریقت، حقیقت اور معرفت غرض جملہ کل وجزو ذاتی، صفاتی، کلماتی اور درجاتی ستر کروڑ

تیس لاکھ اور بہتر (70,30,00,072) حجابات ہوتے ہیں۔ مرشد کامل ایک ہی توجہ، تصرف و تفکر اور توفیق سے بذریعہ حاضرات اسم ذات اور کنہ کلمات طیبات طالب مردہ کو زندہ حیات کر دیتا ہے اور ایک ہی ساعت میں جملہ حجب حجاب سے سلامتی سے گزار کر حضور میں پہنچا دیتا ہے۔(110)

راہِ باطن:۔ یاد رہے راہ باطنی تین طرح پر ہے:

01۔ **راہِ باطن مشاہدۂ طبقات۔** یعنی طیر سیر روئے زمین وتۂ فلک کہ عرش سے بالاتر ستر ہزار مقامات ہیں اور ہر مقام ایک دوسرے سے ستر سال کی مسافت پر واقع ہے اور غوث قطب ان درجات کو طرفۃ العین میں طے کر لیتا ہے لیکن فقیر کے لیے یہ بھی کم تر چیز ہے کیونکہ یہ مرتبہ طیر سیر ہُوا ہے اور بعید از قربِ خدا ہے۔

02۔ **راہِ باطن مقامِ محمود۔** شرفِ مجلس حضرت محمد سرورِ کائنات ﷺ اور ملاقات جملہ روحانیات ہے۔

03۔ **راہِ باطن غرق دریائے توحید اور شرفِ مشاہدۂ نور حضور اور مقامِ فنا فی اللہ ذات ہے۔** یہ ہے انتہائے فقر ''اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰہُ'' (حدیث) لَوْ عَرَفْتُمُ اللّٰہَ بِحَقِّ مَعْرِفَتِهٖ لَزَالَتِ الْجِبَالُ بِدُعَائِكُمْ ۔ اگر تم نے اللہ کو سچے طور پر پہچان لیا تو تمہاری دعا سے پہاڑ بھی ٹل جائیں گے۔(111)

باطنی جُثّے:۔ اے جانِ عزیز تیرے اندر وہ نوری جُثّے ایسے پیوستہ ہیں جیسے مغز در پستہ۔ پس مفصّلۂ ذیل اعمال کے ذریعے باطنی جُثّے زندہ ہو کر سانپ کی مانند سابقہ جُثّوں کو پوست کی طرح اتار لیتے ہیں اور باہر آ جاتے ہیں۔ (سب جُثّے ایک ایک کر کے یا سارے) اول غایت تاثیر تصور اسم اللہ ذات و قربِ حضور۔ دوم عمل شہسواری دعوتِ قبور۔ سوم توجہ اور اخلاص سے تلاوت قرآن باطن معمور۔ چہارم نماز با نیاز صاحب وجود مغفور۔ پنجم کُنہہ کُن سے کلمہ طیب کا پڑھنا بالذت وشوق و ذوق۔ ششم تصور اور تفکر سے نو دو نہ (99) نام باری تعالیٰ مرقوم کر کے کونین پر صاحب امر امور ہونا۔ مندرجہ بالا امور سے عارف باللہ کے وجود سے نو جُثّے باہر آ جاتے ہیں چار جُثّے نفس کے ہیں: اول جُثّہ نفس امارہ۔ دوم نفس لوامہ۔ سوم نفس ملہمہ۔ چہارم نفس مطمئنہ اور تین جُثّے قلب کے ہیں: اول جُثّہ قلبِ سلیم۔ دوم جُثّہ قلبِ منیب۔ سوم جُثّہ قلبِ شہید۔ دو جُثّے روح کے باہر آتے ہیں: اول جُثّہ روحِ جمادی۔ دوم جُثّہ روح نباتی۔

جب تمام جُثّے اہل جُثّہ کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں اور ہم صحبت ہوتے ہیں ایک جُثّہ غیب الغیب سے جسے جُثّہ توفیق کہتے ہیں مثل تجلی برق انوار نمودار ہو جاتا ہے اور نفس کے جُثّوں کو حکم کرتا ہے کہ جُثّہ ہائے قلب سے بغل گیر ہو جائیں۔ پس بغل گیر ہوتے ہی نفس کے جُثّے مر جاتے ہیں اور قلب کے جُثّے زندہ ہو جاتے ہیں۔ بعدہ جُثّہ ہائے قلب کو روح کے جُثّوں کے ساتھ بغل گیر ہونے کا حکم کرتا ہے جس سے قلب کے جثے مر جاتے ہیں اور روح کے جُثّے زندہ ہو جاتے ہیں۔ آخر میں جُثّہ ہائے روح کو جُثّہ توفیق الٰہی اپنی بغل میں پکڑ لیتا ہے جس سے روح کے جُثّے مر جاتے ہیں اور جُثّہ سراسرار اور نور انوار زندہ ہو کر طالب کا سر سے قدم تک تمام جسم سراسر نور ہو جاتا ہے اور دوام حضور ہو جاتا ہے۔ مرشدِ کامل کے لیے طالبِ صادق کو اس مقام پر پہنچانا عین فرض اور ضروری ہوتا ہے۔(112)

سروری قادری سلوک روحانی کے مختلف مقامات واحوال:۔

1۔ جب فقیر کامل چاہتا ہے کہ طالب صادق کو پہلے روز بذریعہ فیض اور فضل' نگاہِ لطف سے سرفراز فرمادے اور مراتب فقر کی انتہا کو پہنچا دے تو حاضرات اسمِ اللہ ذات اور حاضرات اسم محمد سرورکائنات ﷺ اور حاضرات کلمہ طیبات کی توجہ سے طالب کو باطن میں لے جاتا ہے۔ اس وقت طالب کو ایک پیالہ پیش کیا جاتا ہے اور غیب الغیب ہاتف سے الہام ہوتا ہے کہ اے طالب یہ 'موت کا پیالہ' ہے اگر تو سچا حق کا طالب ہے تو اس پیالے کو پی لے۔ جب طالب ساغر پی لیتا ہے تو اس کا نفس مردہ اہل ممات اور قلب زندہ حیات اور روح نفس سے خلاصی پا کر اہل نجات ہو جاتی ہے۔

2۔ جب طالب اس مقام سے آگے گزرتا ہے تو اس کے سامنے ایک دروازہ آتا ہے جس کے دائیں بائیں دو شیر کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس وقت ہاتفِ غیبی سے اس کے کان میں پھر آواز آتی ہے۔ اے طالب حق ان دو شیروں کے درمیان میں سے گزرنا پڑے گا۔ اس

کا نام 'باب الفقر' ہے۔

3۔ اس کے آگے دائیں بائیں دو آدمی 'باب تیغ برہنہ' پر ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے کھڑے نظر آتے ہیں۔ طالب کو الہام ہوتا ہے کہ اے طالب اگر فقر چاہتا ہے سر کی پرواہ اور طمع نہ کر۔ اس راہ میں سر قربان کر دے کیونکہ بغیر سر دیئے سرِ الٰہی حاصل نہ ہوگا۔(113)

جب طالب سَر دے کر سِرّ حاصل کر لیتا ہے تو اس مقام میں اللہ سے واصل ہو جاتا ہے۔ ہزاروں سالکوں میں سے کوئی ایک آدھ عاشق جان فدا اس مقام کو پہنچتا ہے۔

4۔ اس کے آگے طالب چار نوری چشمے دیکھتا ہے:

اول: چشمۂ ذوق، دوم: چشمۂ شوق، سوم: چشمۂ صبر اور چہارم: چشمۂ شکر۔ ان چاروں چشموں سے آبِ رحمت، آبِ جمعیت، آبِ آبرو اور آبِ کرم تین دفعہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پی لیتا ہے۔ اس کے وجود سے جملہ اوصافِ ذمیمہ اور خصائلِ ناشائستہ نکل جاتے ہیں۔(114)

5۔ اس سے آگے کرم پروردگار کے دو چشمہ ہائے انوار نمودار ہوتے ہیں۔ ان چشموں کا نام 'چشمۂ رضا' اور 'چشمہ قضا' ہے۔ طالب 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' پڑھ کر ان سے بھی اپنا حصہ پیتا ہے۔

6۔ جب طالب مقام رضا اور قضا سے قدم آگے رکھتا ہے تو وحدتِ کبریا اور بقائے خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس وقت ایک نوری صورت از سر تا پا انوارِ دیدار سے منور، حورِ بہشت سے نہایت زیبا تر نمودار ہوتی ہے۔ اس صورت کا نام 'سلطان الفقر' ہے۔ جو عاشق ہوشیار سوختہ محبت و مشاہدہ دیدار کو اپنی بغل میں پکڑ لیتا ہے۔ اس وقت طالب کو سر سے قدم تک دنیا و عقبٰی سے بے غم اور لا یحتاج کر دیتا ہے۔(115)

7۔ جب نوازشِ سلطان الفقر سے بہرہ ور ہو کر آگے قدم رکھتا ہے تو اس کے سامنے 'انوارِ توحید کا گہرا سمندر' ٹھاٹھیں مارتا نظر آتا ہے۔ اس مقام میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جس سعادت مند طالب کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اسے بحرِ انوار میں غوطہ دیتے ہیں وہ ترک، توکل، تجرید، تفرید اور فقر کے اصل مقام کو پہنچ جاتا ہے۔(116)

جو شخص دریائے ژرف توحید میں غوطہ کھا کر پاک اور صاف ہو جاتا ہے وہ مقام فقر تمام کے ایسے لاحد و لاعد مرتبے کو پہنچ جاتا ہے کہ اس کا مرتبہ وہم و فہم میں نہیں آتا۔

واضح رہے کہ باطنی شیروں اور دو تیغ زن موکلوں اور حضرت سلطان الفقر کی صورتیں نوری کلمات اور اسمائے الٰہی سے مرقوم اور منقوش ہیں۔ یہ بجنسہ نوری لطیف صورتیں ہیں یا یہ سمجھو کہ باطنی ملازمت اور روحانی منصب کی ایسی مخصوص خلعتیں اور وردیاں ہیں جو جس اہل منصب باطنی کو جب وہ وردی پہنا دی جاتی ہے اس وقت اس میں اس منصب اور عہدے کی لیاقت، قابلیت، طاقت اور علم پیدا ہو جاتا ہے۔ اس راستے میں بڑی آزمائش اور سخت امتحانات کا سامنا ہوتا ہے۔ یہ راہ پُر درد اور کشالہ ہے نہ کہ خانۂ مادر و خالہ ہے۔(117)

8۔ اس کے بعد علم لدنی کی تعلیم اور تلقین شروع ہوتی ہے۔ طالب صادق فقیر ایک شبانہ روز میں علمِ معرفت اور توحید کے حصول سے فارغ ہو کر ''اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَهُوَ اللّٰهُ'' کے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔(118)

9۔ جب اس سے آگے جاتا ہے تو 'سیاہی سے پُر اور مملو ایک باطنی چشمے' کو دیکھتا ہے۔ یہ چشمہ 'کُنْ فَیَکُوْن' یعنی کن کی سیاہی سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ طالب کو ہاتف سے آواز آتی ہے کہ اے طالب اس چشمے کی کچھ سیاہی چاٹ لے۔ جب قدرتِ الٰہی کی وہ سیاہی طالب چاٹ لیتا ہے تو اس کی زبان سیاہ ہو کر سیف الرحمٰن ہو جاتی ہے اور صاحب لفظ ہو جاتا ہے اور قاتل قتال خطاب پاتا ہے۔ لیکن چاہیے کہ اسکی ہر بات موافق شرعِ محمد ﷺ اور مطابق قرآن اور مخالفِ نفس و شیطان ہو۔(119)

10:۔ جب طالب اس مقام سے گزر جاتا ہے تو اس کے آگے خون کا ایک خوفناک دریا آتا ہے۔ طالب کو اس وقت غیب الغیب ہاتف سے

آواز آتی ہے کہ اے طالب! یہ ان عاشقانِ الٰہی کے خونِ جگر کا دریا ہے جن کی قُوت (غذا) اور قوّت (طاقت و توانائی) تمام عمر خونِ جگر رہی ہے۔ اگر تو عاشقِ صادق ہے تو تجھے بھی ہمیشہ خونِ جگر پینا پڑے گا۔ اب اس دریا میں سے اپنا حصہ خون پی لے۔ جو شخص یہ خونِ جگر پی لیتا ہے۔ وہ شخص 'عاشقِ صادق' ہو جاتا ہے۔ اسے چلوں' خلوتوں اور ریاضت و مجاہدے کی احتیاج نہیں رہتی۔

11۔ یہ سب مذکورہ بالا مراتبِ فقر کا ایک دھندلا سا بیان ہے اور فقر کی انتہا مراتب عیاں ہے یعنی مشاہدہ حضور اور قرب وصال۔ نورِ عیان یہ ہے کہ قیل وقال اور بیان سے گزر جائے اور ہر مقام کو اپنی آنکھوں سے حقیقی طور پر دیکھ پائے۔ (120)

شرح موت وحقیقت " مُوْتُوْاقَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ انسان کے لیے موت ایک لازمی اور فطری امر ہے موت سے انسان کا خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ موت کے بعد بھی انسانی روح زندہ رہتی ہے صرف وہ اپنا کثیف عنصری لباس اتار پھینکتی ہے اور نیا لطیف برزخی لباس پہن لیتی ہے۔ حضرت سلطان باہو حالتِ نزع اور اس کے بعد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: یاد رہے کہ جب نزع کے وقت حضرت عزرائیل علیہ السلام سر سے قدم تک وجود کے ذرّے ذرّے سے روحِ حیات کو ہاتھ ڈال کر اس طرح ہلاتے ہیں جس طرح دودھ سے مکھن جدا کیا جاتا ہے بعینہ اسی طرح آدمی کی روح کو عزرائیل علیہ السلام انسانی دماغ کے استخوان الابیض میں جمع کر لیتے ہیں۔ یہ مقام استخوان الابیض زمین اور آسمان سے بھی زیادہ وسیع مقام ہے۔ اس مقام پر روح کو فرشتہ اپنی خاص عملی اور روحانی شکل میں کھڑا کر لیتا ہے۔ اس مقام پر روح سے تین سوستر (370) سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ اس کے بعد غسل، تجہیز و تکفین اور نمازِ جنازہ کی نوبت آتی ہے۔ غرض قبر اور لحد میں اتارنے سے پہلے ان تین سوستر (370) سوالات کے حل باطنی پرچوں پر لیے جاتے ہیں بعدہ قبر اور لحد میں داخل کیا جاتا ہے وہاں اس سے منکر و نکیر سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور حضرت محمد ﷺ کی صورت مبارکہ دکھا کر پوچھا جاتا ہے کہ اس شخص کے حق میں تو کیا کہتا ہے۔ غرض جب روحانی کہتا ہے، میرا رب اللہ وحدہ لاشریک ہے اور میرا دین اسلام ہے اور یہ میرے آقائے نامدار احمدِ مختار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ رسول پروردگار ہیں' تو وہ منکر نکیر کے سوالات سے چھٹکارا پالیتا ہے۔

اس کے بعد روحانی کو ایک اور فرشتہ امان نامی قبر میں بیدار کر کے کھڑا کر دیتا ہے۔ اس کی اپنی انگلی کو بطور قلم اور لعاب دہن کو بطور سیاہی اور کفن کو کاغذ بنا کر اس کے اعمال اس میں لکھ کر بطور تعویز اس کے گلے میں ڈال کر چلا جاتا ہے۔ اگر روحانی صالح ہے تو مقام علیّین میں اور اگر طالع بد بخت ہے تو مقام سجّین میں داخل کیا جاتا ہے۔

تین روز بعد روحانی قبر میں آتا ہے اور اپنے جسدِ عنصری کو دیکھتا ہے کہ گندہ و بدبودار ہو چکا ہے اور کیڑے اسے کھا رہے ہیں تو اسے اس حالت پر سخت افسوس ہوتا ہے اور نہایت غمگین و اداس ہوتا ہے۔ بارہ سال تک روحانی اپنی قبر پر اپنے جُثّے کی حالت دیکھنے کے لیے وقتاً فوقتاً حاضر ہوتا ہے۔ تین شخصوں کا جُثّہ قبر میں سلامت رہتا ہے (انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ) ایک عالم عامل، دوم فقیر کامل، سوم شہید اکمل مکمل جو کہ بعد از ممات بھی عالم حیات میں آ کر لوگوں سے ہم کلام اور ہم سخن ہوتے ہیں۔ مرشدِ کامل اسمِ اللہ ذات کے ذریعے عالم ممات کے مذکورہ بالا سب مراتب زندگی ہی میں خواب یا مراقبے کے اندر یا اعلانیہ طور پر دلیل کی آگاہی میں یا نظر گاہ میں کھول دیتا ہے اور عالم ممات کے سب مذکورہ حالات آنکھوں سے دکھا دیتا ہے۔ بعدۂ طالب کا دل دنیا اور اہلِ دنیا سے سرد ہو جاتا ہے۔

الحدیث۔ حَرَّمَ اللّٰه علی الارض ان تاکل اجساد والانبیاء علیهم السلام

اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کو کھانا حرام فرمایا ہے۔ (121)

مراتبِ فقر بلحاظ مقام ناسوت:۔ فقر میں پہلے پہل صبر و رضا کے مراتب حاصل ہوتے ہیں مگر اس پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد فقر کے تین اور مراتب ہیں۔

اول: تصورِ اسم اللہ ذات میں غرق دوام ہو۔

دوم: کونین (ہر دو جہاں) اس کے تحت اقدام ہو۔

سوم: جملہ ملائکہ، جنونیت غرض سب غیبی لشکر اس کے تابع اور غلام ہوں۔

مگر یہ بھی مراتب خام ہیں اس پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔

فقرِ خاص اس سے بھی آگے ہے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک کل مقامات نظر سے طے کرے۔ مردان اہلِ قبور کو توجہ سے مقام برزخ سے اٹھا کر ہم کلام کرے۔ لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر کے لوگوں کو نیک و بد طالع بتاتا پھرے۔ حلال کھائے حرام ترک کرے۔ لیکن فقر خاص انتہائی مقام اس سے بھی آگے ہے اور یہ مراتب بھی خام ناتمام کے ہیں۔ اس پر غرہ بھی نہیں ہونا چاہیے یہ جملہ مراتب مقام ناسوت کے ہیں اور ان مراتب والا بھی محتاج ہے۔(122)

مرتبہ قربِ وحدانی:۔ بعض فقیروں کو دیکھا گیا ہے کہ ذکر قربانی کے وقت ان کے سات اندام کے بند جدا جدا ہو جاتے ہیں اور ہر بند سے ایک ذکر کا نوری لطیف جسّہ پیدا ہو کر ذکر قربانی (ھوھو) میں مصروف ہو جاتا ہے۔ جس وقت ذاکر اس ذکر قربانی سے فارغ ہو جاتا ہے تو ہر جسّہ اپنے عضو میں متمثّل ہو کر اپنے جسم میں جڑ جاتا ہے۔ اس مرتبہ کو 'قرب وحدانی' کہتے ہیں۔ یہ مرتبہ بھی بچے کی طرح ابتدائی قاعدہ خوانی ہے۔ یہ مراتب بازی گروں کے ہیں۔ ان سات جسّوں سے پھر لاکھوں کروڑوں جسّے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ نوری جسّے پھر سے ایک جسّے میں غائب ہو جاتے ہیں۔ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ولا مسجدٌ الاّ ولی فیہ رکعتہ ولا منبرٌ الّا ولی فیہ خطبتی

دنیا میں کوئی مسجد ایسی نہیں میں جس میں نماز کی رکعتیں ادا نہ کرتا ہوں اور نہ کوئی دنیا میں ایسا منبر ہے جس پر چڑھ کر میں خطبہ نہ پڑھتا ہوں۔(123)

مرتبہ فقر خاص الخاص:۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ فقر خاص الخاص کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ابتدا میں مشق وجودیہ اور تصور اللہ ذات کے ذریعے طالب کے سر سے قدم تک تمام وجود ایسا پاک اور صاف ہو جاتا ہے گویا یہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اور مشق وجودیہ کی پاکی اور برکت سے مجلس حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک نوری طفل معصوم کی شکل میں حاضر ہو جاتا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمال لطف شفقت اور رحمت سے اس نوری بچے کو اپنے اہل بیت پاک میں جناب امہات المومنین حضرت فاطمۃ الزہراؓ (خاتونِ جنت) وحضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ وحضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے لے جاتے ہیں۔ وہاں ہر ایک ام المومنین اور جناب خاتون جنتؓ اسے اپنا فرزند کہتی ہیں اور اپنا نوری دودھ پلاتی ہیں اور وہ شیر خوار اہلِ بیت خاص ہو جاتا ہے اور اس کا نام فرزند حضوری اور خطاب فرزند نوری ہو جاتا ہے۔ باطن میں وہ ہمیشہ اس نوری حضوری لطیف جُسّے کے ساتھ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہتا ہے اور باطنی تعلیم و تربیت پاتا ہے۔ اگرچہ ظاہری جُسّے کے ساتھ عام لوگوں میں رہتا بستا اور بود و باش رکھتا ہے۔ یہ ہے مرتبہ فقر خاص الخاص۔ فقیر کامل سے روزِ اول طالب ان مراتب کو حاصل کر لیتا ہے۔ جس شخص کو باطن میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیر کا خطاب دے دیتے ہیں تو چاہے اس کا نام فقیر اور بصورت گدا ہے لیکن باطن میں بادشاہوں سے بہتر، سردار ہر دوسرا اور غنی بقربِ خدا ہوتا ہے۔ جو شخص اس مرتبے کو نہ پہنچے اور فقیری کا دعویٰ کرے وہ مطلق جھوٹا اور لاف زن ہے۔ فقر کا مرتبہ خاص طریقہؑ قادری میں ملتا ہے۔ (124)

مرتبہ فقر خاص الخاص کی شرح میں کتاب ''نور الھدیٰ'' کے حاشیہ میں حضرت قبلہ فقیر نور محمد کلاچوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

پس فقیر تصور اسم اللہ ذات اور مرشدِ کامل کی توجہات سے زندہ نوری' نوزائیدہ' معصوم بچے کی طرح معنوی طور پر اس عنصری جُسّے کے اندر تولد ہو جاتا ہے۔ ایسے پاک طفل معنوی کو مرشدِ کامل حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کرتے ہیں۔ حضور علیہ السلام اسے اپنی نوری حضوری تربیت میں داخل فرماتے ہیں اور فقیر نوری حضوری فرزند کہلاتا ہے اور خاص الخاص سید بن جاتا ہے۔ اگرچہ ظاہری جُسّے کے ساتھ لوگوں میں شامل ہوتا ہے لیکن باطن میں اس کا ایک معنوی غیبی نوری لطیفہ ہر وقت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہتا ہے اور اس کی وہاں دن رات تعلیم، تلقین اور باطنی تربیت ہوتی رہتی ہے۔ آخر میں جب یہ معنوی انسان کامل اور بالغ ہو جاتا ہے تو اسے دیگر طالبوں کو زندہ کرنے اور تعلیم و تلقین اور ارشاد و بیعت کی اجازت ہو جاتی ہے اور مقامِ ارشاد میں پہنچ جاتا ہے۔(125)

فقر خاص الخاص لایحتاج کے مراتب:۔ فقر خاص الخاص لایحتاج کے یہ مراتب ہیں کہ وہ سات خزانے اور سات قسم کے معراج حاصل کرے۔ وہ سات خزانے ان سات قسم کی معراجوں سے متعلق ہیں: اول معراجِ علم۔ دوم معراجِ حلم۔ سوم معراجِ محبت۔ چہارم معراجِ

معرفت۔ پنجم معراج مشاہدۂ قرب حضور۔ ششم معراج مجلس انبیاء و اولیاء اللہ۔ اور ہفتم معراج فقر۔
یہ ہیں مراتب حدیث ''اِذَا تَمَّ الْفَقْرُ فَھُوَ اللّٰہُ''، تمامیتِ فقر کے یہ مذکورہ بالا مراتب قادری طریقہ میں ملتے ہیں۔ دیگر طریقے والوں کو ان کی خبر بھی نہیں۔(126)

فقیر صاحبِ عیان:۔ 'فقیر صاحب عیان' اسے کہتے ہیں کہ حقیقتِ احوال کن فیکون یعنی حقیقتِ احوالِ ازل، حقیقتِ احوالِ ابد، حقیقتِ احوالِ دنیا اور حقیقتِ احوالِ ممات' اہلِ قبور اور حقیقتِ احوالِ حشر گاہ و احوالِ پل صراط و اہلِ دوزخ و بہشت اور حقیقتِ احوالِ ساغر شراباً طہورا حضرت محمد ﷺ کے دست مبارک سے پینے اور حقیقت احوال مشرفِ دیدار ہونے کے ان تمام حالات کو ابتدا سے انتہا تک دیکھ لے اور پھر سب کو بھلا دے۔(127)

فقر مکب و فقر محبّ:۔

1۔ فقر مکب والا فقیر مطلق مردود، ریش تراشیدہ، خلافِ شرع' بے حیا' محرومِ معرفت و مردودِ درگاہ خدا ہوتا ہے۔ فقر مکب یہ ہے کہ دام مکر و تزویر پھیلا کر دولتِ دنیا جمع کر لے۔ دشمن اسلام' بخیل' ظالم' مالک مالِ حرام بن جائے اور ہمیشہ فقر و افلاس کی اللہ تعالیٰ اور لوگوں سے شکوہ و شکایت کرتا پھرے۔
2۔ جو شخص فقر مکب سے گزر جاتا ہے۔ وہ فقر محبّ کو پہنچ جاتا ہے۔ فقر محبّ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعظیم کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر رحم اور شفقت کی جائے اور اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے متخلق اور متصف ہو جائے۔(128)

مراتبِ غنایت:۔ غنایت بھی پانچ طرح کی ہے۔ جو شخص یہ پانچ طرح کی غنایت حاصل کر لیتا ہے اور اپنے عمل اور تصرف میں لے آتا ہے اور اس سے پھل کھا لیتا ہے وہ شخص زندہ، حی فی الدارین ہو کر کبھی نہیں مرتا بلکہ سب کام اللہ تعالیٰ کے امر سے کرتا ہے۔

قولہ تعالیٰ۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ط اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○

''اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں، بے شک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے ○''

غنایت کے پانچ مراتب ہیں:

1۔ اول مرتبہ غنایت یہ ہے کہ صاحبِ تصور جب خاک پر نظر ڈالے سونا بنا لے۔ ایسے صاحب نظر غنایت کے سامنے مٹی اور سونا برابر ہو جاتا ہے۔
2۔ دوم مرتبہ غنایت یہ ہے کہ صاحب تصور اسمِ اللہ ذات کل مخلوقات کو جذب الطلب سے اپنے سامنے حاضر کر کے ان سے جو کچھ چاہے حاصل کر لیتا ہے۔
3۔ سوم مرتبہ غنایت یہ ہے کہ تصور اسمِ اللہ ذات کے ذریعے سنگ پارس وغیرہ پہاڑ میں معلوم کر کے حاصل کر لے اور پھر اسے کسی کی احتیاج نہ رہے۔
4۔ چہارم مرتبہ غنایت یہ ہے کہ قوت علم دعوت تکسیر (تصور دعوت قبور) سے علم کیمیا اکسیر (تصور اسمِ ذات اللہ) حاصل کرے۔
5۔ پنجم مرتبہ غنایت یہ ہے کہ تصور اسمِ اللہ ذات سے آنکھیں کھل جائیں اور زمین کے نیچے پرانے دفینے اور غیبی خزانے معلوم کرے۔ جو مرشد یہ پانچ قسم کے خزانے پانچ روز میں طالب اللہ کو عطا نہ کرے وہ احمق ہے کہ اپنے آپ کو مرشد کہلواتا ہے۔

غنایت کے یہ پانچ مراتب طالبان صادق کو مرشد کامل عطا کرتا ہے لیکن جو طالب ان مراتب کے حصول کے لیے طالبی اور فقیری اختیار کرتا ہے وہ ہرگز ان مراتب کو نہیں پاتا اور جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی طلب کے لیے نکلتا ہے تو ایسے طالب کو دل کی غنایت کے لیے ایسے مراتب حاصل ہو جاتے ہیں لیکن ایسے لوگ ان باتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں کرتے۔ طالب صادق کو مرشد کامل جب غنایتِ دل کے لیے مذکورہ بالا تصرف کے خزانے عنایت کر دیتا ہے تو دنیا سے اس کا دل سرد ہو جاتا ہے۔ طالب کو چاہیے کہ جب تصرفِ دنیا اور غنایت کا مرتبہ حاصل ہو جائے تو اسی وقت اسے ترک کر دے اور اس میں تصرف سے ایک پائی بھی اپنے نفس پر خرچ نہ کرے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب،

مشاہدے اور وصل کے سوا کسی طرف رخ نہ کرے۔ جس وقت طالب کو اللہ تعالیٰ کا وصل حاصل ہوجاتا ہے تو دونوں جہاں اس کے غلام ہوجاتے ہیں اور دین و دنیا کے خزانے اور نعمتیں اسے مل جاتی ہیں۔ **من له المولیٰ فله الکل۔**(129)

مقام و مرتبۂ فقیر:۔ فقیر صاحبِ مرتبہ اعلیٰ، مقربِ حق تعالیٰ، راہِ حق کا رفیق، اہلِ دیدار باتوفیق ہوتا ہے۔ مالک الملکی فقیر موصوف بصفت **اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ** (اللہ ہر چیز پر قادر ہے) ولی اللہ، عالم باللہ، محقق، روشن ضمیر، بہ کونین امیر، کل و جز مخلوقات اس کے قیدِ تصرف، دوام ناظر صاحب لوحِ محفوظ تفسیر، حاضر مجلس حضرت محمد ﷺ باتاثیر۔ حاکم قبور روحانی عیانی، صاحب لفظ قم باذن اللہ یا بصیر (اے دیکھنے والے اللہ کے حکم سے اٹھ) ہوتا ہے۔

فقیر مالک الملکی وہ ہوتا ہے کہ چودہ قسم کے علوم، چودہ حکمتیں، چودہ توجہ، تصور، تفکر اور چودہ توفیق طریق، تصدیق و تحقیق، چودہ طرح کی معرفت، ترک، توکل، تجرید، تفرید و توحید، چودہ قسم کے ذکر مذکور اور قرب و حضور، چودہ مقام فنا بقا باطن صفا، چودہ دم اور چودہ اسرار حاصل کر کے عامل کامل مکمل اکمل جامع فقیر ہوجاتا ہے اور ان سب کے جوہر وجود میں جمع کر کے فقیر لایحتاج ہوجاتا ہے۔ یہ ہے مالک الملکی اولوالامر فقیر، صاحب ذات جامع کل صفات کہ تمام درجات اور کل مقامات اس کے اختیار میں ہوں۔(130)

مرشد کامل سے طالب پندرہ علم، پندرہ حلم، پندرہ حکمتیں اور پندرہ کیمیا کے گنج حاضرات اسم اللہ اور فیض و فضل مرشد سے حاصل کر لیتا ہے۔ پھر وہ والی ملک ولایت ہوجاتا ہے۔ بغیر حصول مذکور مراتب طالب ہرگز فقر ہدایت میں قدم نہیں رکھ سکتا اور نہ ہی عارف واصل ہوسکتا ہے۔(131)

طالبِ صادق کے لیے ضابطۂ عمل:۔ قولہ تعالیٰ **فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ** ۔اس راستے کی اصل تین طریق سے ہے۔

1۔ اول یہ کہ طالب صادق روزِ اول باقرار زبان صحیح و تصدیق القلب و باخلاص خاص دریائے اعتقاد میں غوطہ لگائے کہ اس کے ہفت اندام پاک ہوجائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اعتقاد پاک بہت پسند ہے۔ تاکہ طالب کے وجود میں نہ چوں رہے نہ چرا۔ نہ ہوس رہے نہ ہوا۔ سر سے قدم تک جملہ بطن باطن صفا اور طالب باادب و باحیا ہوجائے۔

2۔ دوم طالب صادق مقام فقر میں اس طرح پائیدار قدم رکھے کہ مرتے دم تک اس راستے سے منہ نہ موڑے اور لب گور تک باتوفیق عبادت و طاعت ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ قضا آجائے۔

3۔ طالب صادق محبت کی چھری سے اپنے سر کو تن سے جدا کر دے اور بے سر و بے زبان ہو کر اللہ تعالیٰ سے ہم سخن اور ہم کلام ہو۔ اس کے بعد طالب لائق شرفِ لقا اور صاحب وجود بقا ہو۔(132)

بلحاظ فیض رسانی مرشد کی اقسام:۔

1۔ مقامات پانچ ہیں: مقاماتِ دنیا، مقام عقبیٰ، مقام ازل، مقام ابد، مقام لامکاں لاہوت۔ جو شخص ان پانچ مقامات کے خزانے طالب کو حاضرات اسم اللہ ذات سے پانچ دم یا پانچ ساعت یا پانچ روز کے اندر کھول دے وہ 'مرشد کامل' ہے۔

2۔ جو شخص کونین کا تماشہ ہاتھ کی ہتھیلی یا ناخن کی پشت پر دکھا دے وہ 'مرشد مکمل' ہے۔ دونوں جہاں اسمِ اللہ ذات کی طے میں ہیں اور اسم اللہ ذات انسان کے قلب یعنی طے صفات میں ہے۔

3۔ 'مرشد اکمل' وہ ہے کہ اسمِ اللہ ذات اور طے قلوب صفات کلیہ کلمۂ طیبات سے کھول دے اور عین بعین دکھلا دے کہ وجود میں غلطی اور غلاظت وغیرہ اور غضب نہ رہے۔ طالب صاحبِ نقشِ فنا، قلبِ صفا اور اہل روحِ بقا' دوام مشرف مشاہدۂ لقاء اور حاضر مجلسِ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہوجائے۔

4۔ لیکن 'مرشد جامع' وہ ہے جو کنہ اسمِ اللہ ذات کی چند حاضرات جانتا ہے اور ظاہری زبان سے کچھ نہیں کہتا اور نہ پڑھتا ہے بلکہ طالب کو حاضرات اسم اللہ ذات سے اس طرح لے جاتا ہے کہ جب طالب تصور حاضرات اسمِ اللہ ذات کرتا ہے تو ابتدا ہی میں درج ذیل معاملات پیش آتے ہیں:

ا۔ اس کے گرد تمام جنات کے لشکر دست بستہ باادب کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس کے حکم کے منتظر ہوتے ہیں۔ اسے کہتے ہیں کہ اے ولی اللہ کچھ حکم فرمائیے۔ حق کا طالب کہتا ہے حَسْبِیَ اللہُ وَکَفٰی بِاللہِ (اللہ میرے لیے کافی ہے اور اللہ میرا کفیل ہے) اللہ بس ماسوی اللہ ہوس۔

ب۔ اس کے بعد جملہ فرشتے، موکلات اور روحانی حاضر ہوکر عرض گزارنے لگتے ہیں اور التماس کرتے ہیں اور علم وعمل کیمیا اکسیر سنگِ پارس اور عمل دعوت تکسیر بتاتے ہیں۔ کامل ان کی طرف التفات نہیں کرتا۔

ج۔ اس کے بعد جناب حضرت محمد رسول اللہ ﷺ باجملہ انبیاء مرسل' اصفیاء اور جملہ اصحابِ کبار وصفار و چار یار اور حضرت امام حسنؓ وحضرت امام حسینؓ وحضرت شاہ محی الدینؒ تشریف لاتے ہیں اور طالب کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرتے ہیں اور علم معرفت کی تلقین وتعلیم فرماتے ہیں اور منصب ہدایت وولایت سے سرفراز فرماتے ہیں۔(133)

فقر خاص الخاص کے مقامات:۔ فقیر ایک قدم دنیا سے اٹھاتا ہے عقبٰی میں رکھتا ہے۔ اور دوسرا قدم عقبٰی سے اٹھا کر آدھا قدم معرفت میں چلتا ہے۔ اس ڈیڑھ قدم میں منزل فقر کو پہنچ جاتا ہے۔ ''اِذَا تَمَّ الْفقر فھواللہ''.(134)

آخر ابتداء سے لے کر انتہاء تک فقر خاص الخاص کے مقامات یہ ہیں یعنی فقر برآمدن اور درآمدن کا نام ہے۔ پس برآمدن ودرآمدن کیا ہے اور کیا چیز کا نام ہے وہ یہ ہے کہ

باہر آنا مقام ناسوت سے	داخل ہونا لاہوت میں
باہر آنا فنا سے	داخل ہونا بقا میں
باہر آنا جہل، شرک، کفر وہوا سے	داخل ہونا فنا فی اللہ شرفِ لقا میں
باہر آنا حالتِ نفس ودنیا پریشان سے	داخل ہونا مقام اطمینان میں
باہر آنا تقلید سے	داخل ہونا توحید میں
باہر آنا اطاعت سے	داخل ہونا عنایت میں
باہر آنا کفر کے شکوہ وشکایت سے	داخل ہونا غنایت میں
باہر آنا غنایت سے	داخل ہونا ولایت میں
باہر ہونا ولایت سے	داخل ہونا لاحد مرتبہ نہایت میں
باہر آنا عبودیت سے	داخل ہونا ربوبیت میں
باہر آنا سخت طلب سے	داخل ہونا محبّ قلب میں
باہر آنا مجاہدے سے	داخل ہونا مشاہدے میں
باہر آنا ذکر مذکور سے	داخل ہونا مقام الہام حضور میں
باہر آنا ریاضت سے	داخل ہونا مقام لایحتاج میں
باہر آنا لذت نفس ذائقہ سے	داخل ہونا لذت باطن فقر وفاقہ میں
باہر آنا فقر مکب سے	داخل ہونا فقر محبّ میں
باہر آنا کشف وکرامات سے	داخل ہونا حاضرات تصور اسمِ اللہ ذات میں (135)

عارفوں کے احوال:۔

1۔ عارفوں کا حال روز بروز نو بنو ہوا کرتا ہے۔ وہ **کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ** کی شان سے نمایاں ہوتے ہیں کہ موت کے ابتدائی حالات سے لے کر عذابِ قبر، حشر، نشر، پل صراط اور دخولِ جنت گے سب حالات زندگی میں آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔

2۔ بعض سالک مبتدی مجلس حضور ﷺ میں جاتے ہیں لیکن اپنے آپ کو نہیں جانتے بعض جانتے ہیں اور وہاں روحانی لوگوں سے ہم سخن اور ہم کلام ہوتے ہیں۔ بعض مقام جلالیت میں، بعض مقام جمالیت میں اور بعض مقام کمالیت میں رہتے ہیں۔ (136)

3۔ بعض فقراء اسم اللہ ذات کی برکت سے روحانی کو توجہ سے بیدار کر لیتے ہیں اور قم باذن اللہ کہہ کر روحانی کو قبر سے باہر لے آتے ہیں۔ یہ مقامِ حضرت عیسیٰ روح اللہ بھی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی امت میں خواص کو حاصل ہوتا ہے۔ (137)

حوالہ جات وحواشی

001- محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر 1، (المکتبہ الشاملہ بحوالہ دار طوق النجاۃ، باراول، 1422ھ)؛
ابوداؤد سلیمان، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2201، (المکتبہ الشاملہ بحوالہ المکتبہ العصریہ، صیدا، بیروت)

002- علی ہجویری، معروف بہ داتا گنج بخش، ارمغانِ موہوب، مترجم: الحاج بشیر حسین ناظم، (لاہور: کرمانوالہ بک شاپ، اول، جولائی 2007ء)، ص43

003- علی ہجویری، معروف بہ داتا گنج بخش، ارمغانِ موہوب، ص43

004- محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر 6491،
مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر 204، 207، (المکتبہ الشاملہ بحوالہ دار احیا التراث العربی، بیروت)

005- علی ہجویری، معروف بہ داتا گنج بخش، ارمغانِ موہوب، ص46

006- علی ہجویری، معروف بہ داتا گنج بخش، ارمغانِ موہوب، ص54

007- علی ہجویری، معروف بہ داتا گنج بخش، ارمغانِ موہوب، ص54

008- امام غزالی، منہاج الزاہدین، ترجمہ منہاج العابدین، مترجم: ابوثوبان سید محمد اسد اللہ، (لاہور: شبیر برادرز، جولائی 2004ء)، ص46 تا 50

009- امام غزالی، منہاج الزاہدین، ص51

010- امام غزالی، منہاج الزاہدین، ص45

011- امام غزالی، منہاج الزاہدین، ص46

012- شیخ عبدالعزیز دباغ، الابریز، مترجم: محمد محی الدین جہانگیر، (لاہور: نوریہ رضویہ پبلی کیشنز، سوم، جون 2009ء)، ص318

013- احمد سرہندی، حضرت شیخ، مکتوباتِ امام ربانی، جلد دوم وسوم، مکتوب نمبر 60، مترجم: عالم الدین نقشبندی (لاہور: ادارہ اسلامیات، ب۔ن، نومبر 1988ء)، ص216

014- شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، چہارم، 1993ء)، ص75

015- ابوداؤد سلیمان، سنن ابی داؤد، حدیث نمبر، 4695،
مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر 1،
محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی ت بشار، حدیث نمبر 2610، (المکتبہ الشاملہ بحوالہ دار الغرب الاسلامی، بیروت، 1998ء)
ابوعبدالرحمن، سنن النسائی، حدیث نمبر 4990، (المکتبہ الشاملہ بحوالہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ، حلب، باردوم، 1406ھ (1986ء)

016- عبدالکریم قشیری، رسالہ قشیریہ، مترجم: مفتی محمد صدیق ہزاروی، (لاہور: مکتبہ اعلیٰ حضرت، مئی 2009ء)، ص177، 667

017- گل حسن قلندری قادری، تعلیم غوثیہ (کراچی: نفیس اکیڈمی، دوم، مئی 1976ء)، ص75 تا 76

018- عبدالکریم قشیری، رسالہ قشیریہ، ص666 تا 668

019- ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ، اللمع فی التصوف، مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن، (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، دوم، 2006ء)، 240 تا 241

020- Oxford Advanced Learner's Dictionary, Fonathan Crowther, (USA, New York, Oxford University Press), P. 287

021- شیریں زادہ خدوخیل، عہدِ رسالت ﷺ کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، (لاہور: فیصل ناشران کتب، جولائی 2010ء)، ص78

022- تصوف کے روشن حقائق، ص102

023- شیریں زادہ خدوخیل، عہدِ رسالت ﷺ کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، ص88 تا 91

024- شیریں زادہ خدوخیل، عہدِ رسالت ﷺ کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، ص81

025- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بالِ جبریل، ص124

026- شیریں زادہ خدوخیل، عہدِ رسالت ﷺ کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، ص73
027- شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص65
028- شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص69
029- ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ، اللمع فی التصوف، ص38
030- شیخ شہاب الدین سہروردی، عوارف المعارف، ص99 تا100
031- شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکی، قوت القلوب (جلد اول وجلد دوم)، مترجم: محمد منظور الوجیدی (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ب ن، س ن)، ص574
032- گل حسن قلندری قادری، تعلیم غوثیہ (کراچی: نفیس اکیڈمی، دوم، مئی 1976ء)، ص43 تا44
033- شیریں زادہ خدوخیل، عہدِ رسالت ﷺ کا نظامِ تعلیم اور عصرِ حاضر، ص86
034- ابن ماجۃ، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 223، (المکتبہ الشاملہ بحوالہ، دار احیاء الکتب العربیہ)
سنن ابوداؤد، حدیث نمبر 3641،
035- ابن ماجۃ، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 219
036- ابن ماجۃ، سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر 4313
037- محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ البخاری، صحیح بخاری، حدیث نمبر 7312،
مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، حدیث نمبر 98، 100، 175،
محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی ت بشار، حدیث نمبر، 2645
038- تصوف کے روشن حقائق ص98 تا99
039- شیخ ابوطالب محمد بن عطیہ حارثی المکی، قوت القلوب جلد اول، ص524 تا525
040- ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ، اللمع فی التصوف، ص38
041- گائی ائین (حسن عبدالحکیم)' اسلام اور تقدیر انسانی، مترجم: فضل قدیر، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، نومبر 1998ء) ص34 تا37
042- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، ص270
043- ابن عبدالبر اندلسی، العلم والعلماء، مترجم: عبدالرزاق ملیح آبادی، (لاہور: ادارہ اسلامیات، 2005ء)، ص57
044- ابن عبدالبر اندلسی، العلم والعلماء، (کراچی: ادارہ اسلامیات، ب ن، 2012ء)، ص63
045- ابن عبدالبر اندلسی، العلم والعلماء، (کراچی: ادارہ اسلامیات، ب ن، 2012ء)، ص89
046- حضرت علی علیہ السلام، اقوال امام علی علیہ السلام، قول نمبر 80، از نہج البلاغہ، مرتب: علامہ شریف رضی، مترجم: مفتی جعفر حسین، (لاہور: امامیہ کتب خانہ، مغل حویلی، موچی دروازہ، ب ن، س ن)
047- عبداللہ، ڈاکٹر سید، مسائل اقبال، 1974ء، ص133
048- محمد رفیع الدین، ڈاکٹر، اسلام کا نظریۂ تعلیم، (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، اول، دسمبر 2009ء)، ص25
049- فقیر نور محمد کلاچوی، مخزن الاسرار و سلطان الاوراد، ص44
050- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، ضربِ کلیم، مشمولہ: کلیاتِ اقبال اردو (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، پنجم، مارچ 1982ء)، ص119
051- یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال، (لاہور: القمر انٹرپرائزز، مارچ 2010ء)، ص19
052- وزیر آغا، ڈاکٹر، تصوراتِ عشق وخرد، (لاہور: اقبال اکیڈمی، پنجم، 2008ء)، ص162
053- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، ص187
054- وزیر آغا، ڈاکٹر، تصوراتِ عشق وخرد، ص168
055- وزیر آغا، ڈاکٹر، تصوراتِ عشق وخرد، ص4
056- وزیر آغا، ڈاکٹر، تصوراتِ عشق وخرد، ص169 یا170
057- محمد اقبال، ڈاکٹر علامہ، بانگِ درا، ص84